قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

خط وکتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱
پوسٹ کوڈ ——— ۵۴۶۶۰
ٹیلیفون: ۸۷۹۲۴۶

فہرست مضامین

۱ لمعات	(ادارہ)	۳
۲ روئیداد طلوعِ اسلام کنونشن	(قاسم نوری)	۹
۳ قصاص اور دیت	(عارفی سلطانہ)	۱۵
۴ اسلام میں سیاسی پارٹیوں اور مذہبی فرقوں	(عبداللہ ثانی)	۲۲
۵ تغیرِ نفس	(صالحہ نغمی)	۴۳
۶ میرے تصور کا پاکستان	(شاہدہ ندیم)	۴۷
۷ عید (بچوں کے لئے)	(قاسم نوری)	۵۲
۸ QURANIC SOCIAL ORDER	(عمر دراز)	۷۱
۹ یادِ رفتگاں	(ادارہ)	۷۲
۱۰ انا لم آرزو ست	(ناظم ادارہ)	۷۳

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری
معاون: ثریا عندلیب
ڈاکٹر صلاح الدین اکبر

ناشر: عطاء الرحمٰن آرائیں
طابع: خالد منصور نسیم
مطبع: النور پرنٹرز و پبلشرز
۲/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵
ٹیلیفون ——— ۴۸۵۸۲۶

مقامِ اشاعت: ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

جلد ۴۴ ——— اپریل ۱۹۹۱ء ——— شمارہ ۴

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۱۲۰ روپے
بیرونی ممالک ——— ۱۸ امریکی ڈالر
فی پرچہ: -/۱۰ روپے

طلوعِ اسلام کی دلی تمنا ہے

کہ

طلوعِ اسلام کا ہر رُکن

قرآنِ کریم کے احکام کا جیتا جاگتا عملی نمونہ ہو۔ ہر عمل میں، ہر فعل میں، وعدہ وعید میں یاس اور امید میں، کامرانی کی تجلّیات میں، ناکامی کی ظلمات میں ہمارا قدم قرآنِ کریم کی

صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے

طلوعِ اسلام کا ہر رُکن

اپنے گاؤں میں اپنے شہر میں ہر آدمی سے منوالے کہ یہ آدمی جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ یہ طلوعِ اسلام کا رکن ہے۔ یہ دھوکا اور فریب نہیں دے سکتا کیونکہ یہ طلوعِ اسلام کا ممبر ہے۔ یہ رشوت، حرام اور دوسروں کا مال نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ یہ طلوعِ اسلام کا خریدار ہے۔ یہ بے حیائی کا فعل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ طلوعِ اسلام سے وابستہ ہے۔

اگر یہ سعادت ہم میں سے کسی کو نہ ملے تو یہ اس بات کی شہادت ہوگی کہ نہ ہمارا عمل قرآنی ہے اور نہ ہم طلوعِ اسلامی ہیں:

ہر آنکہ کُشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

(اس ضمن میں ناظم ادارہ طلوعِ اسلام کا خطاب بعنوان "السّالم آرزوست" آخر میں ملاحظہ فرمائیں)

لمعات

کب ہو گا سویرا؟

زخم نیا نیا ہے، لہو ابھی تک رِس رہا ہے، درد کا احساس تازہ ہے، یہ درد ہمیں دعوتِ فکر دے رہا ہے بلکہ ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہا ہے کہ ہم پہ یہ افتاد کیوں پڑی، ہماری یہ حالت کیوں ہوئی ——— ہماری سے مراد عالمِ اسلام ہے اور زخم خلیج کی ہولناک جنگ ہے جس میں مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا گیا، اپنوں کے ہاتھوں، بیگانوں کے ہاتھوں۔

دیکھا جائے تو خلیج کی جنگ کوئی وقتی سانحہ یا ISOLATED واقعہ نہیں۔ واقعات کی ایک طویل کڑی کا آخری بند اور تاریخ کی زنجیر کی آخری کڑی ہے یا اخیر کا شروع (BEGINING OF THE END)

غیر مسلم اقوام ہمیشہ ہی اس امّت سے خوفزدہ رہی ہیں۔ اپنی تمام تر مادی قوتوں، سائنسی برتری اور سامانِ حرب و ضرب کی فراوانی کے باوجود اس امّت کا خوف ان پر ہمیشہ طاری رہا ہے۔ آخر کیوں؟ یہ بات سوچنے کی ہے، اس کے متعلق بھی تجزیہ کرنا چاہیئے کہ ایسا کیوں ہے۔ لیکن اس وقت ذکر ہے خلیج کی حالیہ جنگ اور امّتِ مسلمہ کا جو جنگ کے دنوں میں بھی دو واضح گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک طرف امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی جیسی سُپر پاورز ہی نہیں ان کے حلیف ملک تھے جن میں علاوہ یورپی ممالک کے مصر، شام، ترکی، کویت، سعودی عرب، پاکستان جیسی مسلم مملکتیں تھیں اور دوسری طرف تنہا عراق تھا جسے فلسطینیوں، اہلِ اردن و یمن، سوڈانیوں اور کسی حد تک الجزائریوں اور لیبیا والوں کی صرف ہمدردیاں حاصل تھیں ——— اور جب عراق پر بے دریغ اندھا دُھند بمباری کے نتیجے میں ہولناک تباہی پھیلی تو امّتِ مسلمہ کی بے زبان اکثریت کی مادی طور پر بے اثر ہمدردیاں اس کے ساتھ شامل ہوئیں مگر ہونا تو آخر وہی تھا جو آتش و آہن کے ایسے کھیل (جنگوں) میں ہوتا ہے۔ اتحادیوں نے مادی قوت کے زور پر عراق کو تباہ و بے حال کر کے زخم چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ سارے مطالبات منوا لیئے۔ فاتح اقوام اپنے نئے منصوبوں پر عمل درآمد کیلئے آزاد

ہوگئیں۔ نئے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ نئے جال پھیلائے جا رہے ہیں۔

اس جنگ سے بہت پہلے، دوسری جنگِ عظیم سے بھی پہلے۔ پہلی جنگِ عظیم کے بعد اقوام مغرب نے مسلمانوں کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے اس کی مرکزیت پر کاری ضرب لگائی۔ ان میں جذبۂ قومیت ابھار کر انہیں ٹکڑوں میں بانٹ دیا —— اس سے پہلے عراق، شام، فلسطین، مصر وغیرہ خطّہ ہائے زمین تھے جہاں مسلمان بستے تھے —— لیکن پہلی جنگِ عظیم کے بعد مشرقِ وسطیٰ میں عراقی، شامی ترکی، مصری فلسطینی اقوام بسنے لگیں۔ مصر والوں نے سرزمین کے ناطے، فرعونوں سے اپنا رشتہ جوڑا اور ایران والوں نے دارا اور نوشیرواں سے۔ عراقیوں، مصریوں، شامیوں کے مفاد ان کی سرحدوں نے متعین کرنے شروع کر دیئے۔ محدود جغرافیائی مفاد ان میں رقابت اور ٹکراؤ پیدا کرنے لگے۔

اور پھر انہی دنوں ان کے درمیان ایک یہودی مملکت کا پودا لگا دیا گیا جو شروع ہی سے توسیع پسندانہ عزائم لئے ہوئے تھی اور اپنی توسیع پسندی کے لئے قوت تشدد اور جارحیت پہ بھروسا کرتی تھی اور اسے اپنے طرزِ عمل کے لئے اسے مغربی اقوام کی سرپرستی حاصل تھی —— اس مملکت کو یہ تمام ملک اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے، مگر حیرت کی بات ہے کہ وہ کبھی اس کے خلاف متحد نہ ہو سکے آپس کی لڑائیوں میں اپنی توانائیاں ضائع کرتے رہے۔ اپنی اپنی مملکت، اپنی اپنی حکومت کا مفاد ان کی سیاستوں کا محور رہا۔ لبنان میں جتنے حزب آپس میں برسرِ پیکار رہے۔ لبنانی عیسائیوں کے علاوہ وہ سارے کے سارے مسلمان ہی تھے، کسی کی سرپرستی شام کر رہا تھا، کسی کی ایران، کسی کی سعودی عرب، کسی کی کوئی اور —— سب مسلمان ایک دوسرے کو مار رہے تھے اور سب مسلمانوں کو یہودی مار رہے تھے۔

ایران اور عراق دس سال تک برسرِ پیکار رہے اور یہ مسلمان، کلمہ گو، ایک دوسرے کو شہادت کے رتبے ارزانی کرتے رہے۔ جتنے مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے اگر اتنی شہادتوں کا عزم لیکر ایران اور عراق اسرائیل سے برسرِ پیکار ہوتے تو مغربی استعمار کا لگایا ہوا یہ پودا جڑ سے اکھڑ چکا ہوتا اور مغربی استعمار کے سارے عزائم خاک میں مل چکے ہوتے —— اس دور میں ابھی روس کا اثر و رسوخ امریکہ کو من مانی کی اجازت نہ دے سکتا تھا۔ مگر ایرانی اور عراقی ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے شاہ کے زمانے کے سارے ہتھیار اور دونوں طرف سے تیل کی دولت سے خریدے گئے ہتھیار ایک دوسرے کی تباہی کے لئے استعمال کیے گئے۔ کسی نے رُک کر نہ سوچا کہ ہم کیا کر رہے ہیں، کسی نے یہ نہ سوچا کہ ہم کون ہیں۔ کہنے کو دونوں طرف مسلمان تھے۔ مومن ہونے کا دم بھرتے۔

تھے۔ کسی نے رُک کر نہ سوچا کہ مومن کی پہچان کیا ہے۔ اس کی خصوصیات کیا ہیں۔ یہ کفر و اسلام کی جنگ تو نہ تھی کہ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کی صفت بروئے کار آتی۔ دونوں طرف مومن تھے جن کی صفت رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ہوتی ہے، بقول علامہ اقبالؒ :

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

مومن تو یوں دست و گریبان نہیں ہوتے۔ یوں ایک دوسرے کے خون کے درپے نہیں ہوتے انہیں تو ایک دوسرے کا مال بھی ناحق کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ انہیں تو کہا گیا ہے کہ ایک انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے (۵/۳۲) انہیں تو خبردار کیا گیا ہے کہ جس نے ایک مومن کو عمداً قتل کیا اس کی سزا ابدی جہنم ہے اور وہ لعنتِ خداوندی کا مستوجب ہوگا۔ لیکن اس شمعِ ہدایت سے تو ہم مدت ہوئی مُنہ موڑ چکے ہیں۔

کیا یہ وقت نہیں کہ ہم رُک کر سوچیں ہم کون ہیں، کیا ہم مسلم ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو مومن کہہ سکتے ہیں۔ مومن کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں۔ کیا ہم ان خصوصیات کے حامل ہیں؟ کیا ہم اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کی مثل ہیں۔ کیا ہم رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ کیا ہم نے اپنی اپنی انا کو اللہ کے پیغام کے سامنے سرنگوں کر دیا ہے۔

آج ہمیں ترک مل سکتے ہیں، افغانی نظر آتے ہیں، مصری، سعودی، یمنی، شامی، اُردنی، عراقی ایرانی، پاکستانی تو مل سکتے ہیں ——— اگر نہیں مل سکتے تو وہ جنہوں نے نسل و رنگ کے سب ناطوں سے بلند تر ہو کر مصطفوی ہونے کا اعلان کیا ہو۔ وہ جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

اسلام ترا دیس ہے تُو مصطفوی ہے

مگر مصطفوی ہونے کیلئے اپنی ساری وفاداریوں کا مرجع و منبع اسلام کو بنانا ہوتا ہے۔ توحید سے رشتہ استوار کرنے کے لئے سارے بتوں کو توڑنا ہوتا ہے۔ سارے پرانے اور نئے بتوں سے برأت کا اعلان کرنا ہوتا ہے اور تازہ خداؤں میں بقول اقبالؒ

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

غور کا مقام ہے اگر وفاداریوں کا یہ تصوّر امتِ مسلمہ میں ہوتا تو ہماری یہ حالت ہوتی، نہ عراق کو کویت پر حملہ کرنے کی ضرورت پیش آتی، نہ سعودی عرب والوں کو ان کی طرف مدد کے لئے دیکھنا پڑتا جن کے

متعلق انہیں خبردار کردیا گیا تھا کہ وہ تمہارے دوست نہیں ہو سکتے، نہ مصریوں کا تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے وہ رویّہ ہوسکتا تھا جس کے متعلق اُردن کے شاہ حسین نے اپنے انٹرویو میں اشارہ کیا تھا۔

اگر تنازعہ پیدا ہو ہی گیا تھا تو کیا اس کے حل کا یہی ایک طریقہ تھا کہ لگائی بجھائی کی جاتی ایک دوسرے کی چغلی کھائی جاتی۔ غیروں کو مداخلت کی دعوت دی جاتی اور امّت دو مخالف کیمپوں میں بٹی نظر آتی۔ کیا اس امّت کے پاس اپنا کوئی منشور نہ تھا۔ہم اٹھتے بیٹھتے اپنے چودہ سو سال پرانے منشور کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کیا اس منشور میں ایسی صورتِ حال کے لئے کچھ رقم نہیں؟

دیکھئے کہ یہ ربِّ کائنات کا کلام ہے۔اس نے اسبات سے صرفِ نظر نہیں کیا کہ اس کے نام لیواؤں میں اختلافات کا پیدا ہونا ممکن ہے۔وہ آخر کو انسان ہی تو ہیں۔اگر ایسا ہو جائے تو ارشاد ہے:- وَ اِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (۴/۵۹)

ایسی صورتِ حال میں وہاں سے کیا ہدایت ملتی ہے؟ بڑی واضح ہدایت ہے، سورہ حجرات میں ہے

> اور اگر کبھی ایسا ہو کہ مومنین کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں فوراً صلح کرادو"(۴۹/۹)

صلح میں بھی یہ بات پیشِ نظر رکھنا ہوگی کہ وہ دشمن نہیں بھائی ہیں جن میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور ان میں صلح کراتے وقت بھی اس حقیقت کو فراموش نہ کرو کہ یہ دونوں تمہارے بھائی ہیں۔تمہارا فیصلہ بلا کسی رُد رعائت کے قانونِ خداوندی کے مطابق ہونا چاہیئے اس سے تمہاری جماعت مرحمتِ خداوندی کی مستحق رہے گی (۴۹:۱۰)

خدا اور رسول کی طرف رجوع کرنے سے کیا مراد ہے، تم ان میں صلح کرادو میں مخاطب کون ہے۔ اتنی سی بات سمجھنے کی ہے ــــــ اس کیلئے اس نظام کا موجود ہونا ضروری ہے جو حضورؐ نے پہلی بار مدینے میں قائم فرمایا اور ان کے بعد خلافت علیٰ منہاجِ نبوّت کے دوران اس پر عمل رہا جس میں ایک مرکزی اتھارٹی تھی۔جس کے فیصلوں کو برضا و رغبت ماننا ہوتا تھا۔جس کے خلاف دِل کے اندر بھی گرانی نہ آتی تھی ــــــ جنگ کے بعد بھی صورتِ حال تبدیل نہیں ہوئی مخالف گروہ جوں کے توں قائم ہیں۔

ایک آیت ایسی ہے کہ صبح و شام اس کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس کی تلقین کی جاتی ہے:
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا ـ بس اتنا ہی ٹکڑا دہرایا جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ

جَمِیۡعًا کے بعد وَلَا تَفَرَّقُوۡا تک۔ اس کے بعد ــــ جو کچھ کہا گیا ہے اسے کسی پرانی صورتِ حال کی طرف اشارہ کرکے بات ختم کردی جاتی ہے۔ ہم نہیں سوچتے کہ یہ پیغام رہتی دنیا تک چلتا ہے ہم نہیں سوچتے کہ ہم ہی تو اس کے مخاطب نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو جب تم اجتماعی زندگی کی بجائے فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اس حالت میں تمہیں ایسا نظامِ زندگی عطا کیا جس سے تمہارے دل ایک دوسرے سے جُڑ گئے اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہارا اس طرح ایمان کے رشتے میں منسلک ہو کر ایک برادری بن جانا کتنا بڑا انعامِ خداوندی تھا۔ تم اس سے پہلے ہلاکت اور تباہی کے جہنّم کے کنارے پہنچ چکے تھے کہ اس (نظامِ خداوندی) نے تمہیں گرنے سے بچالیا۔"

غور کریں تو کیا ہم آج اپنی نیشنلزم کی روش کی وجہ سے بٹے ہوئے، ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن چکے۔ کیا ہم آج اپنی اس روش کے باعث دہکتی ہوئی آگ والے جہنّم کے کنارے نہیں پہنچ چکے۔ کیا وقت نہیں آگیا کہ ہم اس میں گرنے سے پہلے سنبھلنے کی تدبیر کریں۔ اس نظام کے سایۂ عاطفت کی طرف لوٹ آئیں، جو دلوں کو جوڑ دیتا ہے، جو بھائی بھائی بنا دیتا ہے ــــ اسے آزما کر تو دیکھیں۔ مگر یہ سعادت تو ان ہی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے متمنّی اور متلاشی ہوتے ہیں هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ سے مراد یہی تو ہے ــــ ورنہ تو ہمارے تمام نعرے کھوکھلے رہیں گے۔ ہم لاکھ مسلم اور مومن ہونے کا دعوےٰ کریں، یونہی اغیار کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے۔ اور فریاد کے لہجے میں شکوہ کرتے رہیں گے:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

حالانکہ وہاں تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ‏

جو مَا اَنزَلَ اللّٰہ کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں (۵/۴۴)

اللہ کی رسّی اور ما انزل اللہ کی طرف رجوع کئے بغیر، اس کی ہدایت کے مطابق نظام قائم کئے بغیر نہ اتحاد کی کوئی صورت ہو سکتی ہے، نہ بچاؤ کی کوئی تدبیر کارگر۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کی بقا کا یہی ایک نسخہ ہے۔ اس پر عمل نہ کیا گیا تو اغیار کے ہاتھوں یہی ذلّت ہمارا مقدّر رہے گی جو اب ہے ــــــــــــــ

خریدارانِ طلوعِ اسلام کے لئے

ضروری اعلان

ملک میں پھیلی ہوئی ہوشربا گرانی کی وجہ سے "طلوعِ اسلام" کی مالی حالت پر جو نقصان رساں اثر پڑ رہا تھا۔ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ ہم مجلّہ طلوعِ اسلام کے خریداروں پر مزید بوجھ کا باعث نہ بنیں لیکن اب یہ بوجھ ہماری حدِّ برداشت سے باہر ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم بادلِ نخواستہ مجلّہ طلوعِ اسلام کی قیمت بڑھا رہے ہیں۔ جو اپریل ۱۹۹۱ء سے حسب ذیل ہوگی۔

اندرونِ ملک	سالانہ چندہ -/۱۲۰ روپے	فی شمارہ -/۱۰ روپے	مع پیکنگ و ڈاک خرچ
بیرونِ ملک	سالانہ چندہ -/۱۸ امریکی ڈالر	فی شمارہ ۱/۲ ۱ امریکی ڈالر	

دوکانداروں کیلئے کمیشن کی شرح حسب سابق ۳۳ فیصد رہیگی

• یاد رہے کہ یہ وہ رقوم ہیں جو ادارہ طلوعِ اسلام میں نقد وصول ہونی چاہئیں۔ لہٰذا رقوم بذریعہ منی آرڈر/ بینک ڈرافٹ بھجوائیں یا پرچہ بذریعہ VP طلب فرمائیں۔ VP کا خرچہ بذمہ خریدار ہوگا۔

• لاہور سے باہر کے بینک کا چیک ارسال فرمائیں تو اس میں ۲۰ روپے بینک چارجز شامل کرنا نہ بھولئے۔

• بیرونِ ملک خریداروں کی سہولت کیلئے فارن اکاونٹ کھول دیا گیا ہے۔ دیارِ غیر میں مقیم کرمفرما اپنا چندہ بقدر ۱۸ امریکی ڈالر، جمع بینک چارجز ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ لاہور کے نام غیر ملکی کرنسی میں بھی بھجوا سکتے ہیں۔

• ایسے کرمفرما جن کا چندہ برائے سال ۱۹۹۱ء موصول ہو چکا ہے۔ بقایا رقم بھجوا سکیں تو یہ ان کی طرف سے ماہنامہ طلوعِ اسلام کو مالی بحران سے نکالنے اور قرآنی فکر کو عام کرنے کے لئے مالی اعانت سمجھی جائے گی۔

• پیشگی کھاتہ داران اور بزمہائے طلوعِ اسلام، آگاہ رہیں کہ اپریل ۱۹۹۱ء سے ان کے کھاتوں سے جاری پرچوں کا زرِ شرکت نئی شرح سے وضع کیا جا رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رُوئیداد

طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۹۱ء

زندہ قوموں کا شعار یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی "روزِ حساب" اور "روزِ آخرت" کا انتظار نہیں کیا کرتیں ؛ ہر لحظہ اور ہر سانس "میزان بردار" رہا کرتی ہیں بلکہ سراپا میزان ہوا کرتی ہیں۔

جماعتِ مومنین کا سالانہ اجتماع تو ہوتا ہی خود احتسابی کے عمل کیلئے ہے۔ ایسے اجتماعات میں گذشتہ سال کے کام اور قوتِ کارکردگی کا جائزہ لے کر آئندہ سال کیلئے لائحہ عمل طے کرنا ہوتا ہے۔ قرآنی فکر رکھنے والے اسی طریق کو کنونشن کہا کرتے ہیں۔

علامہ غلام احمد پرویز صاحب کی زندگی میں کنونشن کا دائرہ کچھ محدود تھا۔ ان کی آسودگیٔ آخرت کے بعد ادارہ طلوعِ اسلام کا دائرہ کار، خاصہ کشادہ ہوگیا اور بہت سے دوسرے شعبے قائم کرنے پڑے۔ ٹرسٹ بن گیا۔ ٹرسٹ لائبریری قائم ہوگئی، قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی اور احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی فعال ہوگئیں۔ ذمہ داریاں بڑھیں، فرائض بڑھے، خرچ بڑھا، وقت کے تقاضے بڑھے تو کنونیشن (خود احتسابی) کی اہمیت بھی بڑھ گئی —— اپنے "روزِ حساب" کو خود ہی پکارنے اور طلب کرنے کا فریضہ بھی ناظمِ ادارہ محمد لطیف چوہدری صاحب کی ذمہ داری ٹھہرا۔

دو روزہ طلوعِ اسلام کنونیشن کا آغاز جمعرات ۲۱ فروری ۱۹۹۱ء کی صبح ۱۰ بجے ہوا۔ ملک کے مختلف حصوں سے مندوبین ایک دن پہلے ہی پہنچنا شروع ہوگئے تھے۔ مندوبین کے قیام و طعام کا انتظام ادارہ کی چاردیواری میں ہی کیا گیا تھا۔ جس میں کسی غیر ضروری تکلف کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تھا۔ وہی سادگی تھی جو ایسے سنجیدہ اجتماعات کا شعار ہوا کرتی ہے۔

● کنونشن کے پہلے اجلاس کا آغاز تلاوتِ قرآنِ پاک سے ہوا۔ اس اجلاس کے صدر جناب عبید الرحمٰن ارائیں صاحب اور سٹیج سیکرٹری ناظمِ ادارہ تھے۔ محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے اپنے مخصوص، مترنم لحنِ قرآنی میں تلاوت کی پھر جناب اکرم راٹھور صاحب نے کلامِ اقبال پیش کیا۔ استقبالیہ پیش کرنے کیلئے ناظمِ ادارہ محمد لطیف چوہدری صاحب اسٹیج پر تشریف لائے۔ "استقبالیہ" کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے قبل از وقت پمفلٹ کی شکل میں شائع کرالیا گیا تھا۔ عنوان تھا "السلام آرزوست"

علامہ اقبالؒ کا ایک شعر سرورق کی زینت تھا :

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ "استقبالیہ" کئی اعتبار سے منفرد تھا بلکہ تاریخی نوعیت کا تھا۔ اس میں "کنونشن" کی تعریف، مقاصد، تحریکِ طلوعِ اسلام کی پہلی کنونشن منعقدہ ۱۹۵۶ء میں پرویز صاحب کا خطاب اور ازاں بعد ہر کنونشن کے موقع پر ان کے خطاب سے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ آخری جملے من و عن پیش ہیں، انہیں سپاس نامہ کی رُوح کہا جا سکتا ہے:۔

"میری درخواست ہے کہ قرآنی فکر کی نشرواشاعت کے ساتھ ساتھ سال ۱۹۹۱ء کو بطورِ خاص کردار سازی کا سال قرار دیا جائے اور ہم میں سے ہر فرد سال بھر اپنے آپ کو اپنی بزم میں، اپنے گھر میں، اپنے گردو نواح میں قرآن کے مردِ مومن کے طور پر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔"

اس کے بعد ناظم ادارہ نے مندوبین کے سامنے رپورٹ اور سال بھر کی کارگذاری و کارکردگی کو احتساب کیلئے پیش کیا۔ اسی طرح "طلوعِ اسلام ٹرسٹ" "قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی" اور "احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی" نے رپورٹیں پیش کیں ـــــ جن پر آزادانہ بحث ہوئی، تنقیدیں ہوئیں، تبصرے ہوئے اور قراردادیں پیش کی گئیں۔

ظہرانہ اور ادائیگی صلوٰۃ کے وقفہ کے بعد بزم مذاکرہ کا آغاز ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض جناب ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب نے سرانجام دیئے۔ اس مذاکرے کا اہتمام خصوصی طور پر کیا گیا تھا اور کئی دن پہلے سے زبردست تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ صفِ اوّل کے اخبارات میں اشتہارات شائع کرائے گئے تھے ـــــ شہر بلکہ بیرونِ شہر کے تعلیمی اداروں کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ اپنی کلاسوں اور طلبہ و طالبات کے ساتھ اس میں حصّہ لیں۔ طلبہ و طالبات کے لئے مذاکرہ کا عنوان تھا "میرے تصوّر کا پاکستان" اس کیلئے تین انعامات رکھے گئے تھے، اوّل انعام ایک ہزار روپے، دوسرا انعام چھ سَو روپے اور تیسرا انعام چار سَو روپے مقرّر کیا گیا تھا۔

مقرّرہ تاریخ تک توقّع سے کہیں زیادہ مقالات ادارے کو موصول ہوئے۔ ان کی جانچ پڑتال اور معیار کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے انچاس ۴۹ مقالے منتخب کئے۔ ہر مقالہ کیلئے ۱۵ منٹ کا وقت رکھا گیا تھا اور بیک نشست اتنے مقالے پیش کرنا ممکن نہ تھا لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ محض بارہ "اعلیٰ معیار" کے مضامین پیش کئے جائیں اور انہی میں سے اوّل، دوم، سوم کا انتخاب کر لیا جائے لیکن دیگر کہنے والوں کو بھی مایوس نہ کیا جائے اور ان سب کو تعریفی اسناد

ئے ساتھ ساتھ "کتابوں کا سیٹ" انعام میں دیا جائے۔ چنانچہ مذاکرے کے آغاز ہی میں جناب صلاح الدین اکبر صاحب نے جو اس نشست کے کنوینر اور اسٹیج سیکرٹری بھی تھے اس طریق کار کا اعلان کیا ـــــ اور درج ذیل بارہ مضمون نگاروں (چھ لڑکیاں، چھ لڑکوں) کو مقالے پیش کرنے کی فرداً فرداً دعوت دی :-

شاہدہ ندیم صاحبہ ، عامر ملک صاحب ، ثروت وسیم صاحبہ ، نعیم جاوید صاحب ، منزّہ خالق صاحبہ ماورا سید صاحبہ ، امرش رباب صاحبہ ، سیف اللہ نیازی صاحب ، ملک سہیل کنول صاحب ، عبدالرزاق صاحب اور وردہ ممتاز صاحبہ

ان بارہ کا تعلق لاہور کالج برائے خواتین ، گورنمنٹ کالج لاہور ، ایچی سن کالج لاہور ، کوئین میری کالج ، کینیرڈ کالج ، گورنمنٹ کالج برائے خواتین ، ایم-اے او کالج ، ماڈل ٹاؤن پبلک سکول اور کالج ، منصورہ ، گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور اور کریسنٹ ماڈل سکول لاہور سے تھا۔

مُنصفی کے فرائض جناب بشیر احمد عابد ، جناب عبداللہ ثانی صاحب اور محترمہ ثریّا عندلیب صاحبہ نے انجام دیئے حیرت ہوئی کہ تینوں انعامات لڑکیوں نے جیت لئے۔

مبلغ ایک ہزار روپے کا پہلا انعام' لاہور کالج برائے خواتین کی آنسہ شاہدہ ندیم نے بہترین ادائیگی، بہترین نفسِ مضمون اور بہترین لب ولہجہ کی بنا پر حاصل کیا۔ چھ سو روپے کا دوسرا انعام کینیرڈ کالج لاہور کی آنسہ ثروت وسیم نے وصول کیا، تیسرا چار سو روپے کا نقد انعام گورنمنٹ کالج برائے خواتین لاہور کی ماورا سید کو دیا گیا۔ ایک ایک تعریفی سند اور کتب کا خوبصورت پیکٹ ان انعامات کے علاوہ دیا گیا۔

باقی سینتیس ۳۷ افراد کو بھی خوب صورت مضامین لکھنے پر یہی سند اور کتابوں کا پیکٹ دیا گیا۔ انعامی کتابوں میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔

۱۔ قرآنی قوانین ۲۔ طاہرہ کے نام خطوط ۳۔ شمارہ مارچ ، طلوع اسلام ۴۔ علّامہ پرویزؒ صاحب کے پمفلٹس۔ انگریزی میں پمفلٹ GENESIS OF PAKISTAN اور محمد علی چاولہ صاحب کی کتاب (A — STUDY OF ISLAMIC WRITING -

جناب محمد لطیف صاحب نے اعلان کیا کہ "قاسم نوری صاحب کی کتاب بعنوان" غلام احمد پرویزؒ " ابھی ابھی شائع ہوئی ہے اور تمام انعام یافتگان اور تمام نمائندوں کو بطور تحفہ مُفت پیش کی جائے گی" لہٰذا اس تحفہ میں اسے بھی شامل کرلیا گیا۔

• جو مضمون نگار حضرات اپنے اپنے مضامین سٹیج پر پیش نہ کر سکے لیکن انھوں نے انعامات حاصل کئے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

جناب فیصل رؤف ؛ جناب محمد جمیل ؛ جناب اظہر ندیم سیّد ؛ جناب احمد وسیم قادر، جناب خالد محمود - جناب نعیم شاہ جناب علی اکبر، جناب سلطان علی خاں ؛ جناب ریاض احمد چیمہ ؛ جناب سجاد حسین ؛ جناب خالد محمود ؛ جناب محمد شکیل جناب خالد رشید چوہدری ؛ جناب محمد اسلم ؛ جناب فیصل صدیق ؛ رائے مزمّل حسین ؛ جناب محمد افتخار ؛ اور جناب محمد صدیق اعوان

• طالبات کے نام اس طرح ہیں :-

حمیرا عزیز صاحبہ ؛ عائشہ سیّد صاحبہ ؛ ثمین ضیاء صاحبہ ، زرینہ وزیر صاحبہ ؛ منیرہ عارف صاحبہ - نوشین حسن صاحبہ ؛ فریحہ الیاس صاحبہ ؛ فاطمہ سلیم صاحبہ ؛ ثناء جاوید صاحبہ ؛ سحر خواجہ صاحبہ ؛ سیّدہ نوشین صاحبہ ، شگفتہ زریں صاحبہ ؛ صدف اسلم صاحبہ ؛ نورین اسلم صاحبہ ؛ سمیرہ سلیم صاحبہ ؛ امینہ قریشی صاحبہ ؛ قرۃ العین صاحبہ عصمت یاسمین صاحبہ اور نجمہ رانی صاحبہ

• جن درسگاہوں اور کالجوں نے اس مقابلہ میں شرکت کی، ان کے نام یہ ہیں :-

اردو کالج کراچی ؛ گورنمنٹ کالج برائے خواتین ساہیوال، گورنمنٹ کالج اوکاڑہ ، مرکز علوم اسلامیہ منصورہ ، گلبرگ کالونی بہاول نگر، پنجاب یونیورسٹی ، انجنیئرنگ یونیورسٹی لاہور ؛ گورنمنٹ ڈگری کالج لاہور ؛ گورنمنٹ کالج برائے خواتین لاہور، ایچی سن کالج لاہور ، کوئین میری کالج لاہور ؛ کنیئرڈ کالج لاہور ؛ گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور ، پنجاب کالج آف ایجوکیشن لاہور ؛ لاہور کالج برائے خواتین لاہور ؛ ماڈل ٹاؤن پبلک کالج و سکول لاہور ؛ گورنمنٹ کالج باغبانپورہ لاہور، ایجوکیشن کالج سمن آباد لاہور ؛ ہیلے کالج آف کامرس لاہور ، گورنمنٹ کالج ٹاؤن شپ لاہور ؛ اسلامیہ کالج آف کامرس لاہور ، کریسنٹ ماڈل ہائی سکول شادمان لاہور ؛ علی فاؤنڈیشن سکول ؛ گورنمنٹ ہائی سکول ، گلبرگ لاہور ؛ لیڈرز اکیڈمی ہائی سکول لاہور ؛ امینہ پبلک سکول گارڈن ٹاؤن لاہور اور حمایتِ اسلام پبلک سکول لاہور - ایجوکیشن کالج راولپنڈی

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب اس کامیاب پروگرام پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

عشاء اور عشائیہ کے بعد رات ۸ بجے مجلس استفسارات شروع ہوئی - یہ نشست کنونشن کی جان تھی ، رات گئے تک جاری رہی - سردی کی شدت کے باوجود پنڈال بھرا ہوا تھا اور لوگ محظوظ ہو رہے تھے۔

ہر چند کہ مجلس استفسارات محترم پرویز صاحب کے زمانہ سے اور انہی کے انداز پر منعقد ہوتی ہے لیکن اس کے آغاز ہی میں ایک بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ اس میں دیئے گئے جوابات کی ذمہ داری کسی طور بھی تحریکِ طلوعِ اسلام پر عاید نہیں ہوگی ——— بلکہ اس نشست کے جواب دینے والے پینل پر عاید ہوگی ——— پینل ۳ - افراد پر مشتمل تھا - جناب عمر دراز صاحب ؛ جناب سراج منیر صاحب اور جناب محمد لطیف چوہدری صاحب پینل کے ممبران تھے چوہدری لطیف صاحب کے برجستہ اور برموقع لطائف نے محفل کو پُر لطف بنا دیا۔

بعض مسائل جو سوالات کی شکل میں لوگوں کی طرف سے پیش کیے گئے انتہائی اہم اور نازک تھے لیکن جس احسن طریق سے اور قرآنی حوالوں سے اطمینان بخش جوابات محمد عمر دراز صاحب اور سراج منیر صاحب نے دیئے، لائقِ تحسین ہے۔

رات گیارہ بجے کے قریب طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۹۱ء کا دورِ اوّل مکمل ہوا۔ تمام دن حاضرین و ناظرین اور مندوبین کیلئے مفت چائے کا انتظام بزمِ طلوعِ اسلام لاہور کی جانب سے کیا گیا تھا۔ مندوبین کے لئے کھانے اور چائے کا انتظام میجر یوسف ڈار اور جناب مقصود بٹ صاحب نے کیا اور بلاشبہ مثالی تھا۔ کتب کی فروخت کیلئے پنڈال میں بک سٹال لگایا گیا تھا، جہاں کم قیمت پر کتابیں فروخت کی گئیں۔ استقبالیہ کی ذمہ داری کے فرائض جناب عمر دراز صاحب اور جناب سراج منیر صاحب نے ادا کئے۔

جمعہ ۲۲ فروری ۱۹۹۱ء کی صبح ۹ بجے کنونشن کے دوسرے دور کا آغاز اسی پنڈال میں تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ حسبِ روایت گلشنِ قرآنی کی عندلیب محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ نے قرآنی آیات اور ان کا مفہوم پیش کیا۔ محمد اکرم راٹھور صاحب نے اپنی پرسوز حسین آواز میں کلامِ اقبالؒ پیش کیا

اس قرآنی نشست کی صدارت کیلئے محترم عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ کا نام تجویز ہوا۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض..... محمد لطیف چوہدری صاحب نے انجام دیئے۔ چوہدری صاحب نے انکشاف کیا کہ اس نشست میں پڑھے جانے والے مقالات کی تعداد تیرہ ہے جن کے بالترتیب نام اس طرح ہیں۔

• آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است (قاسم نوری صاحب) • خونِ مسلم بہہ رہا ہے اور سب خاموش ہیں (چوہدری غلام رسول ازہر صاحب) • پیوندی گدڑی (بریگیڈیر اعزاز الدین احمد خاں صاحب) • میں دکھی تو نہیں (مس روبینہ صادق ــــ مری) • قصاص و دیت (محترمہ عارفی سلطانہ صاحبہ، ایڈووکیٹ) • میں بہت دکھی ہوں (محترمہ ثریا عندلیب صاحبہ) سیاسی پارٹیاں اور اسلام (عبداللہ ثانی صاحب) • تغیرِ نفس (محترمہ صالحہ لغنی صاحبہ) • شریعت بل یا شرعِ پیغمبر (رفیع اللہ شہاب صاحب) • مذہبی فرقے (قمر پرویز صاحب) • HOUSE OR HOME (محترمہ شمیم انور صاحبہ) فکر اپنی اپنی (محترمہ ادیبہ اشرف صاحبہ) • اے کہ می خواہی نظامِ عالمے (ڈاکٹر صلاح الدین اکبر صاحب)

وقت کی تنگی کے باعث تمام مضامین نہیں پڑھے جا سکے اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ناظمِ ادارہ کی بار بار یاد دہانی کے باوجود اکثر مضمون نگار حضرات نے مقررہ وقت کی پابندی کو ملحوظ نہ رکھا، جس سے دوسرے مضمون نگاروں کی حق تلفی ہوئی اور سامعین کو بعض اچھے اور خوبصورت مقالوں سے محروم ہونا پڑا۔ بہر حال ناظمِ ادارہ نے یقین دلایا کہ تمام مقالات کو دامنِ طلوعِ اسلام میں محفوظ کیا جائے اور باری باری تمام مضامین قارئین تک پہنچائے جائیں۔

اس کنونیشن کے کنوینئر اور کنونشن کمیٹی کے صدر جناب عبید الرحمٰن ارائیں تھے، جن کے حُسن تدبر سے یہ کنونیشن اور شمعِ قرآنی کے پروانوں کا یہ اجتماع بحسن و خوبی اپنے اختتام کو پہنچا۔

ظہر اور ظہرانہ کے اعلان کے ساتھ ہی دوسرے روز کی یہ نشست انجام پذیر ہوئی اور احباب نے آئندہ سال کی کنونیشن تک کیلئے ایک دوسرے کو الوداع کہا۔

(قاسم نوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارفی سلطانہ

قصاص اور دیت

صدر گرامی قدر اور عزیز رفقاء، السلام علیکم!

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ ہمارے اس مقالے کا وقت بہت کم ہے۔ اس لیے میں کوشش کرونگی کہ اپنی گذارشات کو مقررہ وقت میں ختم کر سکوں۔

آج وطن عزیز کو معرض وجود میں آئے چالیس سے اوپر سال گزر چکے ہیں لیکن ہم ہیں کہ آج بھی وشت ہویدا کے مسافر کی طرح بار بار چلا رہے ہیں۔ ایک بار دیکھا ہے، دوبارہ دیکھنے کی تمنا ہے۔ یہ کیا چیز ہے جسے ایک بار دیکھنے کے بعد ہم اسے دوبارہ دیکھنے کے اس قدر مشتاق ہیں کہ اس کا ذکر کرتے ہوئے نہ ہماری زبان تھکتی ہے نہ ہمارے قلموں کی سیاہی کم پڑتی ہے۔ یہ منتہائے نظر اور مقصود تمنا اسلام کا عملی نفاذ ہے

اس سے پہلے کہ میں آگے بڑھوں پہلے مختصر طور پر یہ سمجھ لیں کہ پاکستان کے قیام اور تقسیم ہندوستان کے وقت مسلمانان ہند کے کیا مقاصد تھے اور ان کی مخالف جماعت کانگرس کیا چاہتی تھی۔ کانگرس کے ممتاز لیڈر گاندھی جی نے ۷، ستمبر ۱۹۳۹ء کو اپنے اخبار ہریجن میں لکھا۔

"کانگرس ایک ہمہ گیر جماعت ہے اور اس کے متعلق بلا کسی شک و شبہ کے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بغیر کسی تمیز مذہب و ملت ہندوستان کے عوام کی نمائندگی کر رہی ہے۔"

گاندھی جی دنیا کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ کانگرس تمام ہندوستانیوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ اس کو مستحکم کرنے کے لئے انھوں نے ۱۹۴۰ء میں مولانا آزاد کو کانگرس کا صدر منتخب کیا۔ ان کے ایک رفیق بھولا بھائی نے ۱۲۔ نومبر ۳۹ء کو ہندوستان ٹائمز کو بیان دیتے ہوئے کہا:

مذہب خدا اور بندے کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ اسے سیاست سے نہیں ملانا چاہیئے۔ جمہوریت کا سیاسی نظام مذہبی جماعت بندی کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ اس سے یکسر انکار کرتا ہے کہ کوئی مذہبی

(روحانی) عقیدہ کسی سیاسی معاملہ کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ مذہب ایک نج کا معاملہ ہے جسے سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔"

گاندھی جی اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ تمام ہندوستانی ایک قوم ہیں۔ کسی مذہب کو دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں۔ تمام مذاہب اصولی طور پر یکساں ہیں۔ اسلام کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنے آپ کو مذہب کی بنیاد پر متحد کرنے کی خام خیالی سے دور رہنا چاہیئے اور آپس میں اس طرح مِل جُل کر رہنا چاہیئے کہ وہ صرف ہندوستانی نظر آئیں۔ کسی مذہب کی بنیاد پر ان میں دوئی کا شائبہ تک نہ ہو۔

ان کا خیال تھا کہ اسلام کے ظواہر و رسوم جیسے روزہ نماز وغیرہ کے متعلق مسلمانوں کو تحفظات کی ضمانت دے دینی چاہیئے کہ یہ چیزیں متحدہ قومیت کے راستہ میں روڑہ اٹکاتی ہیں۔

گاندھی جی کے برعکس محمد علی جناح علیہ الرحمۃ یہ ثابت کرتے تھے کہ کانگرس ہندوؤں کی جماعت ہے۔ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ انکا ایک بیان ۲۳ فروری ۱۹۴۰ء کو ہندوستان ٹائمز میں شائع ہوا جس میں انہوں نے اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے کہا۔

"انگریز چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں، مہاتما گاندھی چاہتے ہیں کہ ہم ہندوستان پر حکومت کریں۔ لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ انگریز کو اپنے اوپر حکومت کرنے دیں گے نہ ہندو کو خواہ یہ الگ الگ ہوں یا دونوں متحد ہو کر ایسا کرنا چاہیں۔"

یہ تصادم جناح یا گاندھی کے درمیان نہیں تھا۔ یہ متحدہ قومیت اور دو قومی نظریہ کے درمیان تصادم تھا۔ ایک طرف گاندھی تھا، جو شانتی، اہنسا اور ستیہ گرہ کی زبان بولتا تھا، دوسری طرف جناح تھے جن کے اصول واضح اور سخت تھے اور وہ ان پر کوئی سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔ اس ٹکراؤ کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ پاکستان کا وجود، جس کا معرضِ وجود میں آنا ایسا معجزہ ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

قیامِ پاکستان کے بعد علماء حضرات بہت بڑی تعداد میں ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے آئے۔ ویسے یہ حضرات، چند کو چھوڑ کر، پاکستان کے قیام کے سخت مخالف تھے۔ یہ نہ جانے کیوں انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اس خطۂ ارض میں رہیں اور اس کی تخریب کی مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ پاکستان آکر ان کا پہلا مطالبہ فروغِ شریعت تھا۔ یعنی یہ چاہتے تھے کہ فقہ کے وہ اصول جو تیسری صدی کے قانون دان حضرات نے وضع کئے تھے ان کو من و عن پاکستان میں نافذ کر دیا جائے۔

یہ مطالبہ ۱۹۴۸ء سے شروع ہو کر آج تک مسلسل مختلف طریقوں سے دہرایا جا رہا ہے اور یہ مقالہ جو میں نے آج کی اس مجلس کیلئے ترتیب دیا ہے وہ اس کی ایک شق نفاذِ قصاص و دیت آرڈیننس سے متعلق ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اس تجزیہ کی طرف آؤں، پہلے ایک نظر اپنے ہمسایہ ملک ہندوستان کی عملی سیاست پر بھی ڈال لیں۔ کانگرس ہمیشہ یہ کہتی رہی ہے کہ بھارت کا مزاج سیکولر ہے۔ اس میں رہنے والی تمام جماعتیں اور اشخاص برابر کے حقوق رکھتے ہیں لیکن کیا عملاً وہاں ایسی حکومت قائم ہوسکی جو ہندو اور مسلمانوں کو قومی زندگی میں برابر کے حقوق دے سکے۔ ہندوستان میں آزادی کے بعد تقریباً چھ ہزار ہندو مسلم فسادات ہوئے جن میں تمام نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ ان میں حالیہ فساد جو رام جنم بھومی اور بابری مسجد کے بارے میں ہوا۔ اپنی نوعیت کا سنگین ترین فساد تھا، جس نے بھارت کے سیکولرازم کے دعویٰ کو تمام دنیا کے سامنے بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

صرف زبانی زبانی ایکتا کا ذکر کر لینے سے کسی کی کوئی تشفی نہیں ہوسکتی۔ ہندو قوم نے سکھوں، اسامیوں پنجابیوں، کشمیریوں کو ایکتا کے بھاشن کے علاوہ کچھ نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے پس ماندہ طبقے اب اپنی بقا کے لئے مسلح جدوجہد کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔ اس قدر تشدد آمیز احتجاج کے باوجود بھارت نے پنجابیوں اور کشمیریوں کا کوئی مطالبہ منظور نہیں کیا اور نہ ان کو ترقی کیلئے کوئی مراعات دیں۔

پاکستان میں نفاذِ شریعت کا جو مطالبہ زور پکڑ رہا ہے اس کیلئے سلسلہ جنبانی ۱۲ جنوری ۱۹۸۵ء سے شروع ہوگی۔ سینٹ میں وسیم سجاد صاحب نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ ایک پرائیویٹ بل ہے، اسے اکثریت کی حمایت حاصل نہیں، دوبارہ اسے ترمیمات کے بعد پیش کیا گیا۔ اس بار بھی اس بل کی مخالفت کی گئی۔ عبدالولی خان اور بلور صاحب نے یہاں تک کہہ دیا کہ انہیں مودودی کا اسلام نہیں چاہیئے۔

پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے لئے بہت سے قوانین منظور کئے گئے جیسے قانونِ حدود، قانونِ زکوٰۃ وغیرہ۔ میرے مقالے کا موضوع قصاص اور دیت آرڈیننس مجریہ ۴ جنوری ۱۹۹۱ء ہے۔ جس میں قتلِ عمد، قتلِ خطا ضربات، خودکشی، اسقاطِ حمل، ولادت کو چھپانا۔ اسقاطِ جنین وغیرہ، امور پر اسلامی قانون لاگو کیا گیا ہے، جسے جناب صدر پاکستان غلام اسحاق خان نے خاص طور پر ضابطہ فوجداری کو اسلامی قانون سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بذریعہ آرڈی نینس جاری کیا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں قرآنِ حکیم ہم کو کیا راہنمائی دیتا ہے۔ وہ انسانی جان کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے :

"جس کسی نے ایک جان کو بھی ناحق تلف کر دیا تو یوں سمجھو گویا اس نے تمام نوعِ انسان کو ہلاک کر دیا اور جس نے

کسی ایک جان کو بھی بچالیا تو یوں سمجھو گویا اس نے پوری نوعِ انسانی کو بچالیا۔" (۵:۳۲)

مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا (۵/۳۲)

انسانی جان کو خدا نے واجب الاحترام بنایا ہے اس لئے اسے حق کے بغیر ضائع کرنا جرم ہے۔ حق کے معنی ہوئے قانونِ خداوندی کے مطابق

وَلَا ــــــــــــــــــــــــ بِالۡحَقِّ (۲:۱۵۲)

آگے ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ــــــــــــــــــ فِى الۡقَتۡلٰى (۲:۷۹)

اے جماعتِ مومنین تم پر فرض قرار دیا جاتا ہے کہ تم قتل کے مجرم کا تعاقب کر کے اسے قانون کے مطابق سزا دو۔ (بالفاظِ دیگر اسے قاتل اور مقتول کے وارثوں کے مابین نجی معاملہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ اسے معاشرے یا نظام کے خلاف جرم سمجھا جائے۔ یہ نظام اپنے ہاتھ میں لئے

قتل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱:۔ قتلِ خطا ۲:۔ قتل بالارادہ

قتلِ خطا کے متعلق ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ ــــــــــــــــــ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا (۴:۹۲)

"کسی مومن کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے۔ الّا یہ کہ غلطی سے ایسا ہو جائے۔ اگر کسی کے ہاتھوں کوئی مومن غلطی سے مارا جائے تو وہ اس کے بدلے میں ایک مومن غلام آزاد کرے۔ نیز مقتول کے وارثوں کو اس کا خونبہا دے۔ (۲:۱۷۸) اگر وہ خوں بہا معاف کردیں تو پھر اور بات ہے لیکن اگر ایسا ہو کہ کوئی قوم تم سے برسرِپیکار ہے اور ان میں کوئی مومن مرد ہے جو تمہارے ہاتھوں سے غلطی سے مارا جاتا ہے تو اس کے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام آزاد کیا جائے گا۔ خونبہا نہیں دیا جائیگا کیونکہ جنہیں تم خون بہا دو گے وہ تو تم سے جنگ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ شخص اس قوم سے ہو جس کیساتھ تمہارا معاہدۂ صلح ہے تو اس صورت میں اس کے وارثوں کو خون بہا بھی دینا ہو گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا بھی۔ لیکن اگر قاتل کے پاس غلام آزاد کرنے کی مقدرت نہ ہو یا ایسی صورت ہو کہ غلام ملتے ہی نہیں تو وہ دو مہینے کے متواتر روزے رکھے یہ چیز قانونِ خداوندی کی رُو سے عفوِ خطا کا موجب بن جائے گی۔ اس قانونِ خداوندی کی رُو سے جو سرتاسر علم و حکمت پر مبنی ہے۔"

قتل بالارادہ کے متعلق ارشاد ہے:

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا ــــــــــــ (۴ : ۹۳)

"اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو قتل کر ڈالے تو خونِ ناحق کی سزا تو ہوگی ہی (۵ : ۳۲) مرنے کے بعد بھی وہ جہنم میں جائے گا، جہاں ہمیشہ رہنا ہوگا۔ قانونِ خداوندی کی نگاہوں میں وہ معتوب ہوگا۔ اسے حقوقِ شہریت وغیرہ سے محروم کر دیا جائے گا۔ سخت قسم کی سزا دی جائے گی۔ قتلِ عمد میں خون بہا یا کفارہ نہیں ہوگا۔

قرآنِ پاک کی ان واضح، صاف اور متعدد آیات کے بعد قصاص اور دیت کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ ہم کلام اللہ کو بنیاد بنا کر اس پر اپنے موجودہ قانون کی بنیاد رکھتے۔ لیکن اس آرڈیننس میں جو کچھ انگریز کے قانون میں قرآن کے مطابق تھا اس کو ہٹا کر ایک سراسر غیر قرآنی نظام لایا گیا۔

تو ساتھیو! انگریز کا قانون یہ تھا کہ انسانی جان کی حفاظت قانون کا فرض ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو قتل کرتا ہے تو حکومت اس میں خود فریق ہے۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملزم کے خلاف تحقیق کرے اور اسے سزا دے یا بصورتِ دیگر اگر اس پر الزام ثابت نہ ہو تو اسے بری کر دے۔

قصاص اور دیت آرڈیننس میں قتلِ عمد اور قتلِ خطا دونوں میں قرآن کی تخصیص کو برقرار نہیں رکھا گیا۔ قتلِ عمد میں بھی دیت اسی طرح دینی ہوگی جیسے قتلِ خطا میں۔ قتلِ عمد میں بھی مقتول کے ورثاء بھی اس میں فریق بنائے جاتے ہیں۔ اس میں انسانی جان کی کم از کم قیمت بھی مقرر ہے۔ جو آج کے سکّہ رائج الوقت کے مطابق ایک لاکھ ستّر ہزار چھ سو دس روپے ہے۔ انگریز کے قانون میں جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ قتلِ عمد کے ثابت ہو جانے کے بعد مجرم صرف روپے دینے کی وجہ سے چھوٹ جائے۔ جان کا اتلاف ایک ناقابلِ تلافی نقصان تصور کیا جاتا تھا۔ یہ مجرم اور وارثانِ مقتول کے درمیان کوئی نجی معاملہ نہ تھا۔ معاشرے اور مجرم کے درمیان قانون کے نفاذ کا واقعہ تھا۔

شریعتِ اسلامی کے نام پر جو قانون نافذ کیا گیا ہے۔ اس میں مجرم کو سزا دینے یا کم کرنے کا حق مقتول کے وارثان کو دیا گیا ہے۔ یہ وارثان تعداد میں متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ صرف ایک وارث اپنے حصے کی سزا میں تخفیف یا معافی کا حقدار ہے۔ ملزم کو بری ہونے کے لئے تمام وارثان کی رضامندی درکار ہوگی۔ کیا کسی انسان کی زندگی کو دوسرے چند انسانوں کے انکار یا اقرار کے تابع کر دینا اسلامی قانون کہلانے کا مستحق ہے۔ اب ملزم کے لیے یہ ضروری ہو گیا۔ کہ وہ مقدمہ پر توجّہ نہ دے۔ نہ اثباتِ جرم کے خلاف شہادتیں بہم پہنچائے۔ اس کے بجائے وہ مقتول کے وارثان کے پیچھے پیچھے پھرے۔ اور کسی نہ کسی طرح انہیں لالچ دے کر، ڈرا، دھمکا کر یا کسی اور طریقے سے صلح پر راضی کرلے

کسی انسان کی زندگی کو دوسرے انسانوں کے جذبات کے تابع کر دینا ۔ انسانی جان اور قانون کے احترام کی بجائے روپے کے ذریعے جرم معاف کروانے کے رجحان کو شریعت کیسے کہا جا سکتا ہے۔

قصاص و دیت آرڈیننس میں جرم کی نوعیت کا کوئی لحاظ ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ قتل خطا اور قتل عمد کو ایک ہی نوعیت کے جرم سمجھا گیا ہے ۔جہاں مقتول کے وارث اور مجرم کے درمیان خرید و فروخت، بھاؤ، تاؤ وغیرہ پر گفتگو ہوتی ہے ۔ اسے معاشرے کے خلاف جرم نہیں سمجھا جاتا ۔ انسانی جان کی کم از کم قیمت مقرر ہے ۔ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں ۔

بعض مقدمات میں جہاں وارثانِ مقتول موجود نہ ہوں وہاں حکومت مقتول کی وارث قرار پاتی ہے ۔حکومت سے مراد وہ سرکاری افسر ہوں گے جو مقدمہ کی سماعت کے دوران عدالت میں حکومت کی طرف سے پیش ہوں گے ۔ ان سرکاری افسران کو قصاص سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ۔ یہ لوگ تو ملزم اور مقتول دونوں کیلئے اجنبی ہیں ۔ایسے غیر متعلق افراد کو ایک انسانی جان پر ایسا اختیار دینا کہ اس کی زندگی اور موت ان کے فیصلے کی تابع ہو، کیسا اسلامی انصاف ہے؟

اس کے علاوہ چند قتل ایسے بھی ہیں جن کا کوئی قصاص نہیں ہے ۔ شق نمبر ۳۰۷ کے تحت ایسا شخص جو کسی موت کی وجہ سے وارث بنے، جہاں اس کا ملزم سے قریبی رشتہ ہو، اپنے قصاص کے حق کو باطل کر دیتا ہے ۔

اس ضمن میں ایک واقعہ جو ابھی پیش آیا بہت اہم ہے اور وہ تھا ڈرائیوروں کی ہڑتال ۔ قصاص اور دیت آرڈیننس کی دفعہ ۳۳۷ جی میں ڈرائیور کی غلطی سے مرنے والے مسافروں کی دیت مقرر کی گئی تھی ۔ اس پر ڈرائیور برادری میں شور مچ گیا ۔ انہوں نے کہا کہ ہماری تنخواہ اتنی کم ہے کہ ہم بمشکل اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے ہیں ۔ اتنا بڑا جرمانہ ہم ادا نہیں کر سکتے ۔ اس پر کئی مولوی صاحبان کے بیان آئے کہ شریعتِ حقّا میں ڈرائیوں کے کہنے پر کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی ۔ ڈرائیوروں نے اس کے خلاف احتجاجاً ہڑتال کر دی، جس کی وجہ سے تمام کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو گیا ۔ مجبوراً حکومت کو بیمہ کا ایک نیا نظام نافذ کرنا پڑا جس میں ڈرائیور کو حادثے کے بعد کچھ ادا نہیں کرنا پڑتا ۔ سارا معاوضہ بیمہ کمپنیاں اور مالکان کو دینا پڑتا ہے ۔ یہاں بھی قرآن کی اس شق کو جس میں دو مہینے کے روزے کفارہ کیلئے مقرر کئے گئے تھے بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے ۔

جیسے مقتول کے وارثان، جرم کی تفتیش پولیس سے کرواتے ہیں ۔ انصاف کیلئے معاشرے کے قائم کردہ محکمہ انصاف کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ ہر جرم کی سزا یا معافی کا حق انہیں حاصل ہے اس میں وہ معاشرے کی دخل اندازی کو نہیں مانتے ۔

یہ قوانینِ فقہ جن کو شریعت کا نام دے کر آرڈیننس کے ذریعہ لوگوں پر مسلط کیا جا رہا ہے ۔ قتل عمد کے بارے میں منطق، دلائل اور ہر طرح کی حکمتِ عملی کے خلاف ہیں ۔ اس سے معاشرے میں اقدار کی بجائے سارا زور روپے

پر دیا جائے گا۔ جس کے پاس دولت ہے وہ قتل جیسا جُرم بھی معاف کروا سکتا ہے۔ اور یہ طرزِ فکر ہمارے معاشرے کو "وحشی معاشرہ" بنانے کی طرف ایک قدم ہوگا۔ حامیانِ دینِ متین زنا کے جُرم پر رجم یعنی پتھر مار مار کر زندگی ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص زنا سے توبہ کرلے۔ لیکن قتل کے بعد جان کے اتلاف کا سودا جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ناقابلِ تلافی جرم ہے جس کے بعد بازیافت کا کوئی موقع نہیں۔

یہ تو تھے وہ واقعات جسے میں نے آپ کے سامنے پیش کیا۔ لیکن ہم کو اس سے ناامید نہ ہونا چاہیئے۔ ان قوانین کے اطلاق کے بعد ان کے نتائج سامنے آئیں گے اور وہ خود دنیا کو دکھادیں گے کہ ان قوانین کی عملی حیثیت کیا ہے۔ ہم کو چاہیئے کہ ہم اس آواز کو اور زیادہ شدت سے بلند کریں کہ یہ قرآن کے احکامات نہیں ہیں۔ تاکہ لوگ نام نہاد شریعت سے بددل ہو کر قرآن کی طرف آئیں۔ ہم قرآن پر ایمان لانے کے مکلف ہیں کسی فقیہ یا قانون دان پر نہیں خواہ حسنِ اتفاق سے اس کی پیدائش دوسری یا تیسری ہجری میں ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔

قرآنِ حکیم کے واضح احکامات کے باوجود حکومت خداداد پاکستان میں قرآن کے علی الرغم، اس طرح کے قانون بنا کر ہم کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ میں نہیں جانتی لیکن اگر ہم نے یہ آواز بلند نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ عام لوگ ان احکامات کو قرآن کے احکام سمجھ کر اس سے ہی برگشتہ نہ ہو جائیں۔

طلوعِ اسلام خود پڑھیئے ۔ دوسروں کو پیش کیجیئے!!

ہو سکتا ہے

- غور و فکر کرنے والے انسان ہمارے ہمنوا بن جائیں
- ناواقف اس کے متعلق سوچنا شروع کردیں

اور

- مخالفین پر ایک بار پھر ظاہر ہو جائے کہ طلوعِ اسلام زندہ ہے

عبداللہ ثانی

اسلام میں سیاسی پارٹیوں اور مذہبی فرقوں کا وجود

صدرِ مجلس و سامعینِ گرامی

زندگی میں بعض لمحات ایسے بھی ہوتے ہیں جو یقیناً یادگار حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک سال کے بعد جب ہم یہاں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور فکرِ روزگار کو پسِ پشت ڈال کر فکرِ قرآنی میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ ہمیں ایک لمحے کیلئے بھی کوئی اور فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔ آج ہم ایک ایسے موقعہ پر اکٹھے ہوئے ہیں جس کے لئے جتنے بھی خون کے آنسو بہائے جائیں وہ کم ہونگے۔ پوری دنیا پر تباہی و بربادی کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور خلیج تو اس تباہی کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ بعض حالات میں افراد کی غلطیاں اقوام کو نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ ۲۔ اگست کو عراق نے کویت پر حملہ کر کے اسے اپنی مملکت کا انیسواں صوبہ بنا دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہود و نصاریٰ ایک ہو گئے۔ یعنی "اسلامی حکومتیں" بھی یہود و نصاریٰ کے ساتھ مل گئیں۔ اب یہیں سے غور کا مقام شروع ہوا کہ آیا ساری دنیا میں اسلامی حکومت نام کی کوئی حکومت معرضِ وجود میں آئی بھی ہے یا نہیں۔ یا جنہیں اسلامی حکومتیں کہا جاتا ہے یہ کہیں مذہبی حکومتیں تو نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے دو واضح اصطلاحیں آگئیں۔ یعنی ایک اسلامی حکومت اور دوسری مذہبی حکومت۔ اسلامی حکومت کا فیصلہ تو ہم قرآنِ کریم کی ایک ہی آیت میں کر دیں گے اور وہ یہ کہ

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ (۵:۴۴)

"یاد رکھو! جو شخص اس قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا جسے خدا نے نازل کیا ہے وہ کافر ہے"

اس حکمِ خداوندی کو سامنے رکھئے اور ایک ایک مملکت، سلطنت یا حکومت پر نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک بھی اسلامی نہیں۔ اگر اسلامی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اس کا جواب بالکل آسان ہے کہ بس حکومتیں ہیں جن پر صرف مسلمان حکمران ہیں۔ اسلامی نہیں ہیں۔ تقریباً ہر مملکت کا سرکاری مذہب ہے۔ بالکل ایسے جیسے ہماری سرکاری زبان اردو ہو۔ سرکاری لباس شیروانی ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی کے نتیجے میں سیاسی جماعتیں اور مذہبی فرقے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اسلام کسی صورت میں بھی مذہب نہیں بلکہ ایک دین ہے جس میں انسانی تصوّرات اور تخیلات کو کوئی دخل حاصل نہیں۔ جہاں انسانی احکام، تصوّرات، تخیلات اور

رفقہ نے قدم رکھا وہیں سے مذہب کا آغاز ہوا یا بالفاظِ دیگر مذہب انسانی اختلافات کی بنیاد پر قائم ایک راستے کا نام ہے۔ جب تک ہم مذہب اور دین میں فرق محسوس نہیں کریں گے اس وقت تک ہم اسی طرح اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں کھاتے رہیں گے۔ ان ہی اختلافات کے نتیجے میں آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ دست بہ گریبان ہے۔ چنانچہ اس فرق کو واضح کرنے کے لئے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ــــ (۳ : ۱۸)

مفہوم " اسی کا نام اسلام ہے اور یہی وہ نظامِ حیات ہے جو تمام کائنات اور نوعِ انسانی کیلئے قانونِ خداوندی کے مطابق تجویز ہوا ہے۔ یہ کوئی نیا نظام نہیں، تمام انبیائے سابقہ اسی نظام کو لے کر آتے رہے، لیکن ان کے بعد ان کے متبعین، باہمی ضد اور سرکشی کی بناء پر، اس میں اختلاف کرنے لگ جاتے اور پھر اس کا نتیجہ بھی بھگتتے۔ اس لئے کہ خدا کا قانونِ مکافات نتائج مرتب کرنے میں دیر نہیں لگایا کرتا۔"

آپ نے غور فرمایا کہ باہمی ضد اور سرکشی کی بنا پر اس میں اختلاف کرنے لگ جاتے اور پھر اس کا نتیجہ بھی بھگتتے۔ اب ذرا اپنے قرب وجوار پر نظر ڈالئے۔ کیا ہم اس کا نتیجہ ہر روز نہیں بھگت رہے ہیں؟ کیا آئے دن فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوتے ہیں؟ کیا ہر روز کرفیو نافذ نہیں ہو جاتا؟ ہمارے ملک میں تو کبھی بھی ہندو مسلم فساد نہیں ہوا۔ ہندو مسلم فساد اگر ہوتا ہے تو ہندوستان میں ہوتا ہے جس کے لئے کوئی جواز بھی موجود ہے۔ یہاں کیا بات ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کو یعنی قرآن کریم کو چھوڑ دیا ہے اور انسان یا شخصیات کے تضادات اور ان کی سرکشی کا شکار ہو چکے ہیں۔ ورنہ قرآن کریم کی تعلیمات کی خشتِ اوّل تو یہ ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ص وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ (۲ : ۲۱۳)

مفہوم یہ حقائق قوم بنی اسرائیل ہی سے مخصوص نہیں۔ نوعِ انسان کی ساری تاریخ ان کی آئینہ دار ہے۔ انسانی زندگی کا پہلا دور وہ تھا جب (وہ تمدنی زندگی سے ناآشنا تھا۔ قدرتی پیداوار پر اس کا

گذارا تھا اور وہ ہر ایک کو بافراط مل جاتی تھی اس لئے ان کے باہمی مفاد میں ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا۔ سب ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے تمدنی زندگی شروع کی تو باہمی مفاد میں ٹکراؤ ہوا (۲ : ۳۶) اور اس طرح ان میں اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے (۱۰ : ۱۹) ان اختلافات کا مٹانا تنہا عقلِ انسانی کے بس کی بات نہ تھی۔ کیونکہ ہر فرد اور ہر گروہ کی عقل اس کے ذاتی مفاد کا تحفظ چاہتی ہے۔ دوسروں کا مفاد اس کے سامنے ہوتا ہی نہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ نے انبیاء کو اپنی وحی دے کر بھیجا۔ وہ انہیں اختلافی زندگی کے نتائج و عواقب سے آگاہ کرتے اور ایک برادری بن کر رہنے کی زندگی کے خوشگوار ثمرات کی خوشخبری سناتے۔ ہر نبی اپنے ساتھ قوانینِ خداوندی کا ضابطہ (الکتاب) لاتا جو حق پر مبنی ہوتا تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ کرے۔

ہر نبی اس ضابطہ کی رُو سے، وحدت پیدا کر کے چلا جاتا۔ لیکن اس کے بعد، وہ لوگ جنہیں وہ ضابطہ دیا گیا تھا، باوجود ایسی واضح تعلیم کے، باہمی ضد اور مخالفت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے خیال سے پھر اختلافات شروع کر دیتے (۱۶ : ۹۲، ۲۰ : ۵۷)۔ لیکن ان میں سے جو لوگ اس ضابطہ کی صداقت پر یقین رکھتے، انہیں خدا، اپنے قانون کے مطابق اختلافات سے بچنے کی راہ دکھا دیتا۔ یہی وہ طریق ہے جس سے اللہ، ہر اس قوم کو جو اختلافات سے بچنا چاہتی ہے زندگی کی توازن بدوش، سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے۔

شمعِ قرآنی کے پروانو! صبح کا وقت تھا اور میں یہ مضمون لکھ رہا تھا۔ میرے سامنے ریڈیو خبریں سنا رہا تھا کہ بی بی سی سے میں نے یہ خبر سنی (پاکستان کے ضلع جھنگ میں فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجہ میں پانچ افراد ہلاک ہو گئے اور کرفیو نافذ کر دیا گیا)۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ فرقہ وارانہ فساد کہیں ہندو مسلم فساد تو نہیں تھا جو قابلِ فہم بھی ہے۔ یہ تو ایسے دو فرقوں کے درمیان تھا جو ایک خدا، ایک قرآن ایک رسول کا دعوے کرتے ہیں۔ اگر ان کا دعوے درست ہے تو پھر ایک دوسرے کا خونِ ناحق کیوں بہایا جا رہا ہے۔ یقیناً دونوں غلط ہیں اور قرآن کریم کی تعلیمات کی بجائے انسانی وضع کردہ تعلیمات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، جو فرعونی طرزِ تعلیم ہے، جو مذہبی پیشوائیت کی پیدا وار ہے۔ جو نظامِ سرمایہ داری کا انداز ہے۔ ایسا تو فرعون کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے :

اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ اَهۡلَهَا شِيَعًا يَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً

مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۔ (۲۸:۴)

مفہوم: واقعہ یہ تھا کہ فرعون نے اپنی مملکت میں بڑی سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ اس نے اپنی قوت کو مستحکم رکھنے کے لیئے ملک کے باشندوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اور ان میں سے ایک پارٹی (بنی اسرائیل) کو کمزور سے کمزور کرتا چلا جاتا تھا۔ اس کے لئے اس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اس قوم کے ان افراد کو جن میں سے ایسے جوہرِ مردانگی نظر آتے، ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بنا دیتا، اور جو ان جوہروں سے عاری ہوتے، انہیں ابھارتا اور آگے بڑھاتا رہتا۔ اس طرح وہ اس قوم کے اندر ناہمواریاں پیدا کر کے ان کی قوت کو توڑتا چلا جاتا۔ (۴۹:۲، ۱۴۱:۷، ۲۵:۴۰)

اس فرعونی طرزِ حکومت پر نظر ڈالیئے تو آج ہمیں صرف نام کی تبدیلی کے سوا اور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ اس وقت ملکی سطح پر سینکڑوں سیاسی جماعتیں اور بیسیوں مذہبی فرقے ہیں۔ ان کی موجودگی میں ہم یہ کیسے سمجھ لیں کہ ہماری یک جہتی قائم رہے گی۔ اصولی طور پر ہماری ہوا اُکھڑ جانی چاہیئے۔ تو

کیا ہماری ہوا اکھڑ نہیں گئی ہے؟
کیا ہم انتشار و خلفشار کے شکار نہیں ہو گئے ہیں۔؟
کیا ہم ٹکڑیوں میں بٹ نہیں گئے ہیں؟
کیا ہم کسی بھی بیرونی دشمن کا مقابلہ کر سکنے کے قابل ہیں؟
کیا ہماری صفیں کج نہیں ہیں۔؟
کیا اس کجی کے نتیجے میں ہماری سمتیں مختلف نہیں ہو گئی ہیں۔

ہماری سے مراد نہ صرف ہم پاکستانی بلکہ عالمِ اسلام جو اس وقت مذہبی فرقوں کے علاوہ سیاسی طور پر چھوٹی چھوٹی مملکتوں میں تقسیم ہو چکی ہیں اور خود کو اسلامی نہ ہونے کے باوجود اسلامی حکومتیں قرار دیتی ہیں صرف ضرورت کیلئے ایسا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اب تک عرب عرب کے نعرے لگائے رہے تھے۔ جب خلیجی بحران پیدا ہوا تو اسلامی کہنے لگیں۔ ایک بھی اسلامی کہلانے کی حقدار نہیں رہے۔ اسلام نے تو ہمیں ریت کے ذرّوں کی بجائے ایک عظیم چٹان بننے کا درس دیا تھا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ (۱۰:۱۹)

مفہوم: (اے رسول! تمہاری دعوت، جس کی یہ اس قدر مخالفت کرتے ہیں، اس کے سوا کیا ہے کہ تم نوعِ انسان کے اختلافات مٹا کر انہیں ایک عالمگیر برادری بنانا چاہتے ہو۔ اور یہ چیز اسی صورت میں ممکن

ہے کہ تمام انسان ایک ضابطۂ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں، اسی کا نام توحید ہے جو شرک کی نقیض ہے۔ تمہاری یہ دعوت نہ کوئی نئی دعوت ہے نہ انہونی بات! نوعِ انسان کی تمدنی زندگی کی تاریخ یہ ہے کہ سب سے پہلے دور میں (جب ان کے مفاد میں باہمی تصادم نہیں ہوا تھا۔) سب ایک برادری کی شکل میں رہتے تھے (۲ : ۲۱۳) اس کے بعد انفرادی مفاد پرستیوں نے ان میں اختلافات پیدا کرنے شروع کر دیئے اور یہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے (۲ : ۳۶) یہ ہو سکتا تھا کہ ہم انہیں پیدا ہی اس طرح کرتے کہ یہ اختلافات نہ کر سکتے یا اگر یہ اختلافات کرتے تو ہم اپنی قدرت سے ان اختلافات کو زبردستی مٹا دیتے۔ (لیکن ہم نے اس کیلئے ایک اور قاعدہ مقرر کیا جس سے انسانوں کی آزادی سلب نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے وحی کے ذریعے ایسی تعلیم عطا کی جس سے یہ اختلافات مٹ سکتے تھے۔ (۲ : ۳۸؛ ۲ : ۲۱۳) مفاد پرست لوگ اس تصور کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس سے ہمارا پروگرام رک نہیں سکتا۔ نوعِ انسان کو آخرالامر ایک عالمگیر برادری بن کر رہنا ہے)"

بجائے امتِ واحدہ بننے کے ہم اختلافات کے شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں ہماری ہوا اکھڑ گئی۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہوا:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۚ (۸ : ۴۶)

مفہوم: "اور "اللہ اور رسول" ــ یعنی اپنے نظام ــ کی پوری پوری اطاعت کرو ــ یہ نہ ہو کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگ جاؤ اور انفرادی مفاد کی خاطر باہمی ٹکراؤ شروع کر دو۔ اگر ایسا کرو گے تو تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس لئے تم ہمیشہ ثابت قدم رہو! یاد رکھو! قوانینِ خداوندی کی تائید و نصرت ان ہی کے ساتھ ہوتی ہے جو ثابت قدم رہتے ہیں۔"

اگر ہوا اپنے انفرادی مفادات کی خاطر اکھڑی نہ ہوتی تو آج تمام وسائل کے باوجود عالمِ اسلام غیروں کا دست نگر نہ ہوتا۔ اگر ہوا اکھڑی نہ ہوتی تو ہم "بُنْیَانٌ مَّرْصُوْص" ہوتے۔ یہ فرقہ بندی اور سیاسی اختلافات کی وجہ ہے کہ ہر طلوع ہونے والا آفتاب حزن و الم لے کر طلوع ہوتا ہے۔ یہ اختلافات ہماری رگ و جان میں ایسے سرائت کر گئے ہیں کہ اوسط دس مسلمانوں کے جمگھٹے میں پانچ فرقے ضرور دیکھنے میں آتے ہیں۔ ۱۹ر جنوری یعنی عراق پر حملے کے دوسرے دن میری آنکھوں نے یہ نظارہ دیکھا۔ عراق پر اتحادیوں (انتشاریوں) کے حملے

سے پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا۔

پشاور میں وکلاء نے بھی احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس ضلع کچہری سے روانہ ہوا۔ جلوس کی قیادت تمام وکلاء صاحبان کر رہے تھے۔ جلوس ایک زیرِ تعمیر عمارت کے قریب سے گزر رہا تھا۔ ایک سولہ یا سترہ سالہ نوجوان پھٹے پرانے کپڑے پہنے، پاؤں سے ننگا سر پر دس اینٹیں لئے کھڑا تھا۔ اس نے غور سے دیکھا اور نعروں کو سُنا جو "بُش مُردہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ مزدور نے اینٹیں پھینکیں۔ دوڑا۔ اپنے کونے میں پڑے ہوئے جوتے اٹھائے اور جلوس کے آگے دیوانہ وار "بُش برباد" کے نعرے شروع کر دیئے۔ جلوس بمشکل ایک فرلانگ گیا ہو گا کہ سامنے سے صحافی صاحبان نظر آئے۔ وکلاء صاحبان نے اس مزدور کو دھکے دے کر اپنے سے اس لئے علیحدہ کر دیا کہ "وہ اُن" میں سے نہیں تھا۔ وہ بیچارہ کیا سمجھتا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ (آپ غور کریں۔ اس کا مقصد اور وکلاء صاحبان کا مقصد ایک ہی تھا لیکن معیار مختلف تھا۔ آگے سنیں) جلوس زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتا ہوا۔ کابلی چوک پہنچا۔ ایک صاحب نے مرکزی حکومت کے خلاف نعرہ لگایا۔ دوسرے صاحب نے اس کے گریبان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جلوس دو حصوں میں بٹ گیا۔ کیا بُش نے آکر کسی کے کان میں فسوں پھونکا۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ خود اپنے باہمی اختلافات کے نتیجے میں ——— آگے سُننے ——— ایک پروفیسر صاحب نے خطاب کا اظہار کیا۔ اسے اس لئے اجازت نہ دی گئی کہ وہ (پروفیسر) "ہمارا" سٹیج کیوں استعمال کرے سب کا مقصد بش کی "زبانی" بربادی تھا، لیکن سمتیں علیحدہ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو برداشت نہیں کیا جا سکا۔ یہی صورتِ حال ہر روز دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ کیا ہے۔ یہ اُن سینکڑوں سالوں کا رگوں میں رچا بسا اختلاف ہے جو ہمیں متحد ہونے کو نہیں چھوڑتا۔ یہ سب کچھ مذاہب کی پیداوار ہے لہٰذا

وَ تَذْهَبَ رِيحُكُمْ ——— تمہاری ہوا اُکھڑ گئی ہے

اس اکھڑی ہوا کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہودی و نصاریٰ ہمارے خلاف تو متحد ہو گئے اور ہم۔ کوئی غیر جانبدار کوئی جانبدار — کوئی نمائش بیں — تو کوئی یہود و نصاریٰ کا ساتھی۔ حالانکہ ارشادِ ربانی ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ (۵۱ : ۶)

مفہوم: اے جماعتِ مومنین! تمہارے سامنے یہود اور نصاریٰ کی حقیقت بھی آگئی اور یہ بھی کہ تم کس نظام کے قیام کے لئے کھڑے کئے گئے ہو۔ تم دیکھتے ہو کہ ان کے مطمعِ نگاہ اور تمہارے

مقصدِ زندگی میں کس قدر بنیادی فرق ہے۔ لہٰذا، تم نے کبھی انہیں اپنا دوست اور چارہ ساز نہ بنانا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ یہ باہمی ایک دوسرے کے دوست اور چارہ ساز بن جائیں لیکن تمہارے دلی دوست کبھی نہیں ہو سکتے۔

سامعینِ گرامی! آپ غور فرمائیں کہ صرف اس ایک تنقیح پر پورا ملک نظریاتی طور پر کئی حصّوں میں بٹ چکا ہے عوام اور حکومت کی پالیسی کی سمتیں مختلف ہو چکی ہیں۔ یہ سب کچھ مفادات کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہے۔ جو دراصل مذہب کی پیداوار ہے۔ مذہب اور دین کے فرق کو جب تک سمجھا نہیں جائیگا اس وقت تک ہماری ہوا اکھڑی رہے گی۔ جب تک مذہبی فرقے جو یکسر تعلیماتِ قرآنی کے خلاف ہیں پیدا ہوتے رہیں گے۔ قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے۔ حتیٰ کہ خود کو کسی بھی فرقہ کے ساتھ وابستہ کرنا ہی شرک ہے۔ لیکن اس کے باوجود بڑے بڑے علمائے کرام تو کیا خود ذرائع ابلاغ سے پورے دھڑلے کے ساتھ کہا جاتا کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں مختلف فرقوں کے علماء نے شرکت کی۔ ہلال کمیٹی میں مُلک کے تمام فرقوں کی نمائندگی کر دی گئی ہے کوئی یہ نہیں سوچتا کہ دراصل تمام مشرکین کو شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ مَیں نہیں کہتا قرآن کریم کے الفاظ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (۶ : ۱۶۰)

مفہوم: دین ایک راستے پر چلنے کا نام ہے، مختلف راستوں پر چلنے کا نہیں۔ جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر لیں اور الگ الگ گروہ (فرقے) بن جائیں۔ اے رسول! تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا معاملہ قانونِ خداوندی کے سپرد کر دو۔ وہی بتائے گا کہ ان کی اس روش کا نتیجہ کیا ہوگا (۳/۱۰۴، ۳۰/۳۲)

کیا قانونِ خداوندی یہی ہے کہ آئے دن میں ذرائع ابلاغ سے یہ سنتا رہوں کہ ایک فرقے کے پرستاروں نے دوسرے فرقے کے پجاریوں کو پکڑ پکڑ کر ہلاک کر دیا۔ ان کے گھروں کو، ان کے معبدوں کو نذرِ آتش کر دیا اور پھر اخبارات میں جلے ہوئے قرآنِ کریم کے اوراق کی تصاویر بھی دکھائی جائیں۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۲۳/۵۳)

مفہوم: وہ مختلف گروہوں میں بٹ جاتے، ان میں فرقے پیدا ہو جاتے اور پھر جیسا کہ فرقہ پرستی کا خاصہ ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک پر جم کر بیٹھ جاتا اور اس خیال میں مگن رہتا ہے (کہ وہی فرقہ حق پر ہے باقی فرقے باطل ہیں۔)

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ٥ (۳۰:۳۲)

مفہوم: لہٰذا تم بڑی احتیاط برتنا کہ اس طرح توحید کے ہیرو بن کر پھر سے مشرک نہ بن جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس طرح امّتِ واحدہ رہنے کے بجائے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ فرقوں میں بٹ جانے کے بعد حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہر فرقہ سمجھتا ہے کہ جس طریقے پر ہم چل رہے ہیں وہی حق و صداقت کی راہ ہے اس لئے وہ اپنے آپ میں مگن ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔ یاد رکھو! فرقہ پرستی اور گروہ بندی شرک ہے تم اس شرک کے مرتکب نہ ہو جانا۔

سامعینِ گرامی! پہلے زمانے میں پیدل سفر ہوا کرتے تھے۔ سامانِ عبرت حاصل کرنے کیلئے ذرائع انتہائی محدود تھے۔ اب تو عبرت کا سامان جتنا جی چاہے اور کرۂ ارض کے جس ملک سے چاہیں آپ ایک ہی دن میں خرید سکتے ہیں۔ ارشادِ ربّی ہے کہ اگر تم نے سامانِ عبرت حاصل کرنا ہے تو پھر

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ٥ (۳۰/۴۲)

مفہوم: اگر اس سے بھی ان کی سمجھ میں بات نہیں آتی تو ان سے کہو کہ ذرا دنیا میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو قومیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، ان کا انجام کیا ہوا؟ ان میں اکثریت ان کی تھی، جنہوں نے اپنے خود ساختہ قوانین کو، قوانینِ خداوندی کا ہمسر بنا رکھا تھا۔ (اور نوعِ انسان کو ایک عالمگیر برادری خیال کرنے کے بجائے فرقوں اور پارٹیوں میں بٹے ہوئے تھے۔ کہ شرک کا یہ لازمی نتیجہ ہے

(۳۰/۳۱-۳۲)

ایسا نہیں ہو سکتا کہ قرآنِ کریم نے متّحد رہنے کا راستہ نہ بتایا ہو۔ اب جب کہ سلسلۂ نبوّت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے تو قرآنِ کریم ایک زندہ نبی کے طور پر ہر دور میں تا قیامت موجود ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی آیات کو ہم نے اپنی ضروریات یا مونوگرام کے طور پر استعمال کرنا ایک سعادت مندی سمجھ رکھا ہے ہمارے وطن میں جب اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی تو بڑی خوبصورت رسیاں بنا کر اخبارات اور رسائل میں سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ کو سجایا گیا تھا۔ جو کچھ یوں ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط

مفہوم: یاد رکھو! دین نہ انفرادی مسلک کا نام ہے، نہ گروہ بندیوں کا کے طریقہ کا۔ لہٰذا تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم سب کے سب بلا استثناء، اجتماعی طور پر، اس نظام کے ساتھ، محکم طور پر وابستہ رہو اور امّت میں فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو مت آنے دو (کہ فرقہ پرستی شرک ہے (۳۰/ ۳۱۔۳۲) اور پارٹی بازی خدا کا عذاب ہے (۶/۶۵) تم ذرا اپنی پچھلی حالت کو یاد کرو۔ جب تم اپنی اجتماعی زندگی کے بجائے فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ خدا نے اس حالت میں تمہیں ایسا نظامِ زندگی عطا کیا جس سے (تم میں صرف ظاہری اتحاد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ) تمہارے دل ایک دوسرے سے جڑ گئے اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے تمہارا اس طرح، ایمان کے رشتے میں منسلک ہوکر، ایک برادری بن جانا، کتنا بڑا انعام خداوندی تھا تم اس سے پہلے ہلاکت اور تباہی کے جہنّم کے کنارے پہنچ چکے تھے کہ اس (نظامِ خداوندی) نے تمہیں اس میں گرنے سے بچا لیا

عزیزانِ مَن! اپنے گرد و نواح پر نظر ڈالئے۔ حضور نبی اکرم صلعم کی بعثت سے قبل عرب جہنّم کے کنارے تک پہنچ چکے تھے۔ حضورؐ نے ان کو ہلاکت اور تباہی سے نکالا۔ لیکن اب ہم مسلم ہوتے ہوئے بھی ہلاکت اور تباہی کی طرف رواں دواں ہیں۔ ہر روز خود کو تقسیم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ تقسیم در تقسیم۔

پشاور کی دیواروں پر سیاسی نعروں کی تو کوئی حد نہیں اس کے ساتھ ساتھ مذہبی نعرے بھی بے انتہا لکھے جاتے رہتے ہیں۔ چند دن قبل ایک بڑا دلچسپ نعرہ لکھا گیا۔

"اسلام میں فرقہ بندی حرام ہے۔ اسلام میں نہ کوئی شیعہ ہے، نہ سنّی۔ نہ حنفی۔ نہ مالکی۔ نہ حنبلی۔ نہ شافعی۔ نہ دیوبندی۔ نہ بریلوی اور نہ اہلِ حدیث ہے" منجانب جماعت المسلمین

آپ نے غور فرمایا۔ اپنے مخالف فرقہ بندیوں کو پورے زور سے روکا اور کتنی معصومیّت سے خود ایک فرقہ کی بنیاد ڈالی۔ جماعتِ مسلمین۔ یا للعجب ـــــ

سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کا قانون جب نافذ ہوا تو تقریباً ایک سو سیاسی جماعتوں نے رجسٹریشن کی درخواست دی۔ سب کی سب پاکستانی قوم کے مفادات کی دعویدار ہیں، لیکن قبلے علیحدہ علیحدہ ـــــ اس پر بھی یہ امید کہ ہم ترقّی کریں گے اور یکجہتی کا مظاہرہ کریں گے ـــــ ایسا نہیں ہو سکتا ـــــ اور اب تو جمہوریّت نے ہمیں اور بھی منتشر کر دیا ہے۔

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو		جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

انسان ساختہ آئین میں مذہبی فرقوں کو تحفّظ فراہم کر دیا گیا ہے جب کہ ربّ لم یزل کے آئین میں اسے شرک قرار دیا گیا ہے۔ آئین کے آرٹیکل ۲۲۷ میں اس تحفّظ کو دیکھا جا سکتا ہے۔ انسان ساختہ آئین سے انکار کی سزا اسی آئین کے آرٹیکل ۶ کے تحت موت ہے اور وہ شخص غدّار ہے جب کہ خدا کے آئین سے انکار کی سزا انفرادی طور پر تو مقرر نہیں البتہ اجتماعی اور قومی سطح پر ہلاکت و عذاب ہے۔

۱۶ نومبر ۱۹۸۸ء سے چند دن قبل پوری قوم "جمہوری خولیا" کا شکار ہو گئی تھی۔ ذہنی ابتری کا اندازہ اس سے لگائیے کہ الیکشن کمیشن نے جب انتخابی نشانات کے لئے درخواستیں طلب کیں تو ۷۰ سیاسی جماعتوں کی درخواستیں میدان میں آئیں۔ ان میں سے تقریباً ۴۰ سیاسی جماعتیں ساتھ ساتھ مذہبی بھی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارے مسلمان چالیس تسلیم شدہ مذہبی فرقوں اور سب ملا کر ۷۰ سیاسی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے۔ یہ امتِ واحدہ تھی یا امتِ منتشرہ

شیرازہ ہوا ملّتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے !
(ضربِ کلیم)

چنانچہ دین کو مذہب بنا دیا گیا جس کا خاصہ صرف اور صرف فرقہ در فرقہ ہے دین اور مذہب کے فرق کا خطِ امتیاز خود قرآن کریم ہے جس کی تعلیمات نئی ہرگز نہیں تھیں بلکہ انبیائے سابق نے بھی یہ تعلیماتِ دین کہ خداوندِ لم یزل نے تمہیں دین دیا اور تم نے اختلاف کی بنیاد پر اسے مذہب میں تبدیل کر دیا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ (۴۲/۱۳-۱۴)

مفہوم (جس طرح خارجی کائنات میں اس کے قوانین کارفرما ہیں اسی طرح اس نے انسانی زندگی کے لئے بھی قوانین مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ قوانین انبیاء کی وساطت سے بذریعہ وحی دیئے گئے ہیں اور شروع سے اسی طرح چلے آ رہے ہیں۔ چنانچہ) اس نے جو نظامِ زندگی تمہارے لئے تجویز کیا ہے۔ وہی ہے جسے اس نے نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ، عیسیٰؑ (اور دیگر انبیاء) کی طرف وحی کیا تھا۔ ان سب سے یہی کہا گیا تھا کہ وہ خدا کے تجویز کردہ نظام کو عملاً قائم کریں اور اس میں تفرقہ نہ پیدا کریں۔ (کیونکہ نظامِ خداوندی سے مقصود یہ ہے کہ نوعِ انسانی

اپنے اختلافات اور تفرقات کو مٹا کر ایک عالمگیر برادری بن جائے ۔
جو لوگ مختلف قوتوں کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور قوانینِ خداوندی کے ساتھ اپنے خودساختہ قوانین بھی ملاتے ہیں، انہیں تمہاری یہ دعوت (جو صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت اور مختلف گروہوں اور فرقوں کو مٹا کر وحدتِ انسانیت کی دعوت ہے) بہت ناگوار گذرتی ہے (لہٰذا انہیں صحیح راستے کی طرف راہنمائی کیسے مل سکتی ہے۔ باقی رہا ان کا یہ اعتراض کہ منصبِ نبوت کے لئے اسی رسول کو منتخب کیوں کیا گیا۔ سو ان سے کہہ دو کہ) اس مقصدِ عظیم کے لئے خدا جسے موزوں سمجھتا ہے، چُن لیتا ہے۔ یہ انتخاب تمہارے معیاروں کے مطابق نہیں ہوتا۔ تمہارا کام نبی کی وساطت سے دی ہوئی وحی سے راہنمائی حاصل کرنا ہے۔
یہ راہنمائی ہر اس شخص کو مل سکتی ہے جو برضا و رغبت اُسے حاصل کرنا چاہے۔ جو اس کی طرف رجوع نہیں کرتا اسے یہ راہنمائی نہیں مل سکتی ۔
(اب رہا یہ سوال کہ جب دین شروع سے ایک ہی تھا تو پھر مختلف مذاہب کیسے وجود میں آ گئے اور لوگوں میں اس قدر اختلافات کیسے رُونما ہو گئے؟ یہ اس لئے نہیں ہُوا کہ خدا کے مختلف لوگوں کو مختلف مذاہب دیئے تھے۔ یا اس کی طرف سے نازل شدہ وحی ایسی تھی کہ اس سے اختلافات پیدا ہو سکتے تھے۔ بات یہ نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ) ایک نبی، خدا کی وحی کی روشنی میں اختلافات مٹا کر چلا جاتا، تو اس کے بعد، اس کے پیرو، محض نفسانیت اور باہمی ضد اور عداوت کی وجہ سے تفرقہ پیدا کر لیتے اور یوں ہی ایک ہی دین کے نام لیوا مختلف فرقوں میں بٹ جاتے ۔"
بحر قرآن کے ملاحو! ،
آج کی جدید اصطلاح میں اسے PERSONALITY CLASH یا شخصی تصادم کہا جاتا ہے دُور مت جائیے ذرا مذہبی فرقوں کے "بڑوں ۔ بڑوں" پر نظر ڈال لیجئے۔ جب بھی ان کے اکٹھا ہونے کی کوشش ہوتی ہے (ایک ہی فرقہ کے دو دھڑے) تو خبر لگ جاتی ہے کہ "بات دھیرے دھیرے" آگے بڑھ رہی ہے اور پھر اچانک یہ خبر آجاتی ہے کہ متفق نہ ہو سکے، آئندہ اجلاس فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر کیا جائیگا۔ یہ سب کچھ خودساختہ مذاہب کی پیداوار ہے۔ آئیے! دینؔ اور مذہبؔ کا مقابلہ کریں ۔

	دین	مذہب
۱	انسانی یکجہتی کا درسِ اوّلیں دیتا ہے	انسانیت کو ٹکڑوں میں تقسیم کرتا ہے
۲	اتفاق، ایثار اور اخوت کی راہ بتاتا ہے	نفاق، انتشار اور فرقہ واریت کو ہوا دیتا ہے۔

	دین	مذہب
۳	دین کائنات کو سجدہ ریز کرنا دکھاتا ہے	مذہب مسجد (چار دیواری) کی تزئین و آرائش کی بات کرتا ہے۔
۴	دین انفس و آفاق کا مقام ہے	مذہب پوجا پاٹ کا نام ہے۔
۵	دین کے نزدیک نسل، خون، رنگ کا کوئی تصور نہیں	مذہب نسل۔ خون۔ اور رنگ وغیرہ کا زور دیتا ہے۔
۶	دین شخصیت پرستی سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے	مذہب شخصیت پرستی کی تلقین کرتا ہے۔
۷	دین کائنات اور خود انسان کو برحق سمجھتا ہے	مذہب کائنات اور خود انسانی وجود کو ایک خیال سمجھتا ہے۔
۸	دین مکافاتِ عمل پر یقین رکھتا ہے	مذہب کے نزدیک ہر عمل کا نتیجہ قرض پر مبنی ہے۔
۹	دین اجتماعیت کا نام ہے	مذہب انفرادیت کو سامنے لاتا ہے۔
۱۰	دین کسی صورت میں دین کو نجی معاملہ تصور نہیں کرتا	مذہب خود مذہب کو انسان کا نجی معاملہ تصور کرتا ہے۔
۱۱	دین اللہ کا دیا ہوا ایک نظام ہے۔	مذہب انسان کا پیدا کردہ ہے۔
۱۲	دین ضابطۂ حیات ہے	مذہب رسوم و مناسک ہے۔
۱۳	دین کا جھوٹ، فریب اور ریاکاری سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔	مذہب ان چیزوں کی اجازت دیتا ہے۔
۱۴	دین ایک انسان کے ناحق قتل کو انسانیت کا قتل قرار دیتا ہے	مذہب میں انسان کا خونِ ناحق بہانا کارِ خیر ہے۔
۱۵	دین انسان کو آزاد سمجھتا ہے	مذہب انسان کو قید کرتا ہے۔
۱۶	دین عورت کو بھی انسان سمجھتا ہے	مذہب عورت کے حقوق کی صرف بات کرتا ہے
۱۷	دین میں حقوق خود بخود دیئے جاتے ہیں	مذہب میں حقوق مانگے جاتے ہیں۔
۱۸	دین انسانی ذات کی نشوونما پر یقین رکھتا ہے	مذہب جسم کی پرورش کی بات کرتا ہے۔
۱۹	دین ماحول کی پاکیزگی کی تلقین کرتا ہے	مذہب قرب و جوار کو صاف رکھنے پر زور دیتا ہے۔
۲۰	دین سب کا ہے	مذہب "تیرا اور میرا" ہے۔
۲۱	دین پرائے مال کو حرام سمجھتا ہے	مذہب، رام رام جپنا پرایا مال اپنا کا ورد کرتا ہے۔
۲۲	دین علیٰ وجہ البصیرت ایمان لانے کا نام ہے	مذہب اندھے عقیدے پر زور دیتا ہے۔
۲۳	دین سمجھاتا ہے۔	مذہب رٹا (زبانی یاد کرنا) لگواتا ہے۔
۲۴	دین للکارتا ہے	مذہب چھُپ کر وار کرتا ہے۔

۲۵ دینؔ وسعتِ قلب عطا کرتا ہے | مذہبؔ تنگ نظری کا دوسرا نام ہے

۲۶ دینؔ میں مفادات کے ٹکراؤ کا کوئی تصور نہیں | مذہبؔ مفادات کے ٹکراؤ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

اور دینؔ کسی بھی مرحلے پر سودا بازی یا مصلحت آفرینی سے کام نہیں لیتا۔ | مذہبؔ ضرورت کے وقت سودا بازی کرتا ہے۔

عزیزانِ من! کہتے ہیں جمہوریت ہی دراصل اسلام کی اساس ہے۔ یاد رہے جمہوریت ایک ایسی طرزِ حکومت کا نام ہے جس میں اکثریت کی رائے فیصلہ کن ہوتی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا جمہوری ادارہ نام نہاد اقوامِ متحدہ ہے۔ جس میں شاہی۔جمہوری۔امارات۔سلطانی اور آمریتوں کی نمائندگی موجود ہے۔ وہاں جو فیصلہ بھی ہوتا ہے وہی جمہوری کہلاتا ہے۔ یہی سیاسی ہوتا ہے۔ اُس ادارے کی خشتِ اوّل امن کی بنیاد پر رکھی گئی۔ اس کے مقاصد کرۂ ارض پر امن کا قیام تھا۔ لیکن ہوا کیا ——— اپنی سیاہ تاریخ کو اور بھی کالا کرنے کے لئے وہاں جمہوری فیصلہ دیا گیا کہ عراق کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ قصوروار صدام، سزاوار عوام۔

قرآن کریم عالمگیر امن کا درس دیتا ہے اور فساد پھیلانے والوں کو مفسد قرار دیتا ہے۔ یہی وہ فرق ہے جو انسان ساختہ قوانین اور قوانینِ خداوندی میں نمایاں ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین خود اس کے خلاف ہو جاتے ہیں اور پھر اسے راہِ فرار بھی نظر نہیں آتی۔

نہ تم بدلے نہ ہم بدلے نہ دِل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلابِ آسماں کر لوں!

میرے اللہ!

تُو دینؔ آفریدی ——— مذہبؔ آفریدم
یقین آفریدی ——— تذبذب آفریدم
حیات آفریدی ——— ممات آفریدم
ثمرات آفریدی ——— نجات آفریدم
سکوں آفریدی ——— اضطراب آفریدم
قرار آفریدی ——— عذاب آفریدم
جہاد آفریدی ——— فساد آفریدم

آج کی نئی مذہبی اصطلاح کا نام مکتبۂ فکر رکھا گیا ہے۔ اپنی تاریخ اٹھا کر دیکھئے۔ دُور جانے کی ضرورت

نہیں۔ آج کل تو فرقہ وارانہ تصادم ہماری زندگی کا حصہ بن گئے ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد پہلا اور بڑا فرقہ وارانہ فساد اسی شہر لاہور میں ۱۹۵۳ء میں ہوا تھا۔ (اس وقت مرزائی صاحبان مسلمانوں کا فرقہ تھا جو لعد میں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا) ان فسادات میں ملک کے بڑے بڑے علمائے کرام سرگرم تھے چنانچہ حکومت نے تحقیقاتی عدالت مقرر کی جس نے فسادات سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی مختلف فقہوں۔ مذاہب اور فرقوں میں بٹے ہوئے علماء مل کر بھی "مسلمان" کی تعریف نہ کر سکے۔ اگر یہ قرآن کو دین سمجھتے تو کبھی غلطی نہ کرتے اور سب کی تعریف ایک ہوتی۔ میں صرف دو تین کا حوالہ دیتا ہوں۔ اُس وقت کے فسادات کے سرخیل مرحوم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے سوال کیا گیا (صہ ۲۳۲ - منیر کمیشن رپورٹ ۱۹۵۳ء)

سوال — ازراہِ کرم "مسلم" کی تعریف کیجئے!

جواب — " وہ شخص مسلم ہے جو توحید پر، تمام انبیاء پر، تمام الہامی کتابوں پر، ملائکہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو "

o مولانا احمد علی صدر جمیعت العلمائے اسلام مغربی پاکستان

سوال — ازراہِ کرم "مسلم" کی تعریف کیجئے!

جواب — " وہ شخص مسلم ہے جو، قرآن پر ایمان رکھتا ہو۔ اور رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر ایمان رکھتا ہو۔ ہر شخص جو ان دو شرطوں کو پورا کرتا ہے مسلم کہلانے کا حق دار ہے اور اس کیلئے اس سے زیادہ عقیدے اور اس سے زیادہ عمل کی ضرورت نہیں "

o مولانا عبدالحامد بدایونی - صدر جمیعت العلماءِ پاکستان

سوال — آپ کے نزدیک 'مسلمان'، کون ہیں؟

جواب — " جو شخص ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہے وہ مومن ہے اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حقدار ہے "

o مولانا امین احسن اصلاحی :

سوال — مسلمان کون ہے؟

جواب — " مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک سیاسی مسلمان۔ دوسرے حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کہلانے کی غرض سے ایک شخص کیلئے ضروری ہے کہ :

۱ توحیدِ الٰہی پر یقین رکھتا ہو

۲ ہمارے رسولِ پاکؐ کو خاتم النّبیین مانتا ہو، یعنی اپنی زندگی کے متعلق تمام معاملات میں ان کو آخری

سند تسلیم کرتا ہو۔"

۳ ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے
۴ روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔
۵ قرآنِ مجید کو آخری الہامِ الٰہی یقین کرتا ہو۔
۶ مکّہ معظّمہ کا حج کرتا ہو
۷ زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔
۸ مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہو
۹ اسلامی معاشرے کے ظاہری قواعد کی تعمیل کرتا ہو۔
۱۰ روزہ رکھتا ہو۔

جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہو وہ ایک اسلامی مملکت کے پورے شہری کے حقوق کا مستحق ہے اگر وہ ان میں سے ایک شرط پوری نہ کرے گا تو وہ سیاسی مسلمان نہ ہوگا (پھر کہا) اگر کوئی شخص ان دس امور پر ایمان کا محض اقرار ہی کرتا ہو گو ان پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے۔ حقیقی مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے تمام احکام پر عین اس طرح ایمان رکھتا ہو اور عمل کرتا ہو جس طرح وہ احکام و ہدایات اس پر عائد کئے گئے ہیں۔"

ـــــ ان تعریفوں کو سامنے رکھ کر عدالت نے جو تبصرہ کیا وہ بھی پیشِ خدمت ہے:

"ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیشِ نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے "مسلم" کی کوئی تعریف کر دیں، جیسے ہر عالمِ دین نے کی ہے اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہے تو ہم کو متفقہ طور پر دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کرلیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کی رُو سے کافر ہو جائیں گے۔"

طائرانِ قرآن یہ سب کرامات مذہبی فرقوں کی ہیں۔ ان تمام علمائے کرام میں سے کسی نے بھی مسلمان کی تعریف قرآنِ کریم سے تلاش کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ سب نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اور ایک تصوّراتی مسلمان

کی مخصوص خصوصیات پیش کیں۔ یہ ہے وہ اختلاف جسے قرآنِ کریم نے قدم قدم پر سامنے رکھ کر بتایا ہے کہ اگر اپنی ظنّیات سے کام لو گے تو اس فرقہ بندی، انتشار اور اختلاف کا شکار ہو گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تصنیف تذکرہ کے صلا۱۳ پر حضور صلعم کی ایک حدیث نقل ہے:۔

" یہ وصیّت کی تھی رسول اللہ صلعم نے حضرت حذیفہ اعلم الصحابہ بالفتن کو کہ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الفرق کلها ولو ان تعض باصل شجرہ حتی یدرکك الموت "

یعنی جب مسلمانوں کی ایک جماعت اور ایک سبیل نہ رہے اور بہت سے مذہبوں اور طریقوں میں بٹ جائیں تو طالبِ حق کو چاہیئے کہ ان سارے بناوٹوں۔ مذہبوں اور جماعتوں سے الگ ہو جائے اور صرف مسلم و مؤمن رہے۔ اگر ایسا کرنے میں غربت و بےکسی کی وجہ سے درختوں کی جڑ چبا کر جینا پڑے تو اس کو بھی گوارا کرلیں مگر الگ الگ مذہب بنانے والوں کا ساتھ نہ دیں۔ پوری روایت صحیحین میں ہے"۔

حالت یہ ہے کہ اگر کسی کو مذہبی نام نہ مل سکا تو اس نے اپنی شناخت کے لیے خود کو شہروں سے وابستہ کر دیا۔ ہمارے ہاں آج بھی یہ سوال ہوتا ہے کہ آپ دیوبندی ہیں یا بریلوی۔ حالانکہ دونوں کا تعلق نہ مکّہ معظمہ سے ہے اور نہ ہی مدینہ منورہ سے۔ دیوبند اور بریلی ہندوستان کے دو مشہور شہر ہیں۔ لیکن اب مکاتبِ فکر اور علیحدہ تشخص قرار دیئے گئے ہیں۔ مسلمان کو فوری طور پر چھ بڑے ٹکڑوں میں تقسیم کریں تو حنفی، شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شیعہ اور وہابی بنتے ہیں۔ ان سب کو باری باری ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً حنفی میں سلفی یا غیر سلفی، پھر سلفی میں دیوبندی یا بریلوی آگے اسی طرح بڑھتے چلے جائیں تو رہ جاتا ہے سیدھا سادہ مسلمان جو بس جمعہ کی نماز پڑھتا اور رمضان کے روزے رکھتا ہے۔ اسی میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔

یہ تو وہ مذہبی فرقے اور سیاسی جماعتیں ہیں جو ہمیں ہر روز فسادات کی شکل میں سامنے نظر آتی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک اور سلسلۂ اولیائے کرام بھی ہے۔ جن کی تمام عمارت فرضی کہانیوں پر کھڑی ہے۔ ان کے سلسلے پھر نہ ختم ہونے والے سلسلے ہیں۔ کوئی نقشبندیہ ہے تو کوئی قادریہ، کوئی رزمیہ ہے تو کوئی بزمیہ، کوئی چشتیہ ہے تو کوئی سہروردیہ۔ ملامیہ۔ فرقہ قصاریہ۔ فرقہ طیفوریہ۔ فرقہ جنیدیہ۔ فرقہ نوریہ۔ فرقہ سہیلیہ۔ فرقہ حکیمیہ۔ فرقہ خرازیہ فرقہ خفیفیہ۔ فرقہ سیاریہ۔ جواریہ۔ بلخیہ۔ نخشبیہ۔ رازیہ۔ قصاریہ۔ عماریہ۔ انطاکیہ۔ حیریہ۔ حلالیہ۔ خواصیہ۔ غرض اسی طرح کے سینکڑوں اور بھی فرقے ہیں جو کشف المحجوب میں گنوائے گئے ہیں (معاذ اللہ) داتا گنج بخش ؒ کے بعد ان میں جو ترقی اور آبیاری ہوئی ہے وہ علیحدہ ہیں۔ اس کی تفصیل سے معاملہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہوتا جائیگا۔

ان سب میں سے کسی ایک سے یہ سوال کریں کہ کیا آپ نے قرآنِ کریم کا مطالعہ کیا ہے؟ تو یہی جواب ملیگا

کہ قرآن ہر کوئی بھلا سمجھتا ہے؟ اس کے لئے تو جانے کتنے باطنی اور سترہ ظاہری علوم پر دسترس ہونی چاہیئے۔ تب جا کر آپ قرآن سمجھیں گے۔ اس ناسمجھی کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے کہ وہ (قرآن) ہمیں امتِ واحدہ کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔ جب تک امتِ واحدہ تھی تو دیبل کی بندرگاہ پر صرف مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کے نتیجہ میں پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیرِ قدم آگیا اور جب ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تو آج یہود و نصاریٰ کا ساتھ دینے والے خود کو مسلمان کہلاتے ہیں۔

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو۔ بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

ایک فرقے کا امام دوسرے فرقے کے امام کے پیچھے نماز، جو فرض ہے، بھی نہیں پڑھتا۔ اس انتشار و افتراق کو حضرت یوسف علیہ السلام نے کتنے خوبصورت انداز سے سمجھایا۔ فرماتے ہیں: (۱۲/۳۹)

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

"(توحید کے اور امتِ واحدہ کے اس نکتے کو میں ایک اور انداز سے سمجھاتا ہوں۔) ایک شخص صرف ایک آقا کا غلام ہے اور وہ آقا بھی ایسا ہے جو ہر قسم کے اختیارات رکھتا ہے اور دوسرا شخص بیک وقت کئی مالکوں کی نوکری کرتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ ان میں سے کس کی زندگی اچھی گذرے گی؟ ظاہر ہے کہ اس کی زندگی اچھی ہو گی جو ایک آقا کا ملازم ہے اور وہ اس کی تمام ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔"

قرآن کریم میں نہ تو مسلم لیگ کا ذکر ہے، نہ جماعت اسلامی کا۔ نہ پیپلز پارٹی کی کوئی بات ہے اور نہ ہی جمیعت العلمائے اسلام کی۔ بلکہ قرآن کریم کی تعلیمات کی اساسی روح امتِ واحدہ کی شکل ہے۔ اس شکل کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں اختلافات کی بنیاد پر تقسیم کرنا بتایا گیا ہے۔ اب وہ تقسیم سیاسی ہو یا مذہبی، لسانی ہو یا گروہی علاقائی ہو یا نسلی۔ سب کی سب تقسیم اور ٹکڑوں نیز فرقوں / پارٹیوں کی صورت میں دیکھنا ہو گی۔ یہ کچھ ہوتے ہوئے اگر ہماری ہوا نہیں اکھڑے گی تو کیا جمی رہے گی۔ ایسا کبھی۔ کبھی اور کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم عمل تو تعلیماتِ قرآن کے خلاف کریں اور نتائج ہمارے حق میں نکلیں۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ

پھر تمہارے پیش رؤں کے بعد ہم نے زمامِ حکومت تمہارے ہاتھ میں دے دی تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس قسم

کا عمل کرتے ہو (۱۴/۱۰)

غور فرمائیں کہ ہمیں اگر خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ بھی ملتی ہے تو اس لئے کہ ہمارے اعمال کو دیکھا جائے۔ ہمارے اعمال اگر اختلاف و انتشار کا شکار ہونگے تو ہمیں تبدیل کرنے اور کسی اور کو لانے میں کوئی وقت نہیں لگے گا اور ہم دیکھتے ہی دیکھتے۔

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ٥ (۴۷/۳۸)

مفہوم: اگر تم اس نظام سے روگردانی کروگے اور اپنے عہد سے پھر جاؤگے تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم لے آئے گا جو تمہارے جیسی نہیں ہوگی (اس لئے کہ قوموں کی موت و حیات اور استخلاف و استبدال کا قانون یہ ہے کہ جو قوم صحیح نظامِ زندگی کی حامل ہو وہ باقی رہتی ہے، جو غلط نظام رائج کرے وہ تباہ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ وہ قوم لے لیتی ہے جو بہتر نظام کی حامل ہو۔ قوموں کی موت و حیات کے فیصلے زندگی کے متعلق ان کے نظریات، اور عملی نظام کی رُو سے ہوتے ہیں۔

یہ فیصلہ اب ہم نے کرنا ہوگا کہ اپنے استخلاف فی الارض کو قائم رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ اور کیا ہم یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ کی طرف تیزگام تو نہیں بنے ہوئے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اپنے اختلافات اور فرقہ بندی کے نتیجے میں اس تبدیلی کی تاریخ بھی ہم خود رکھ دیں کہ مکافاتِ عمل اپنے نتائج ٹھیک ٹھیک مرتب کرتا ہے۔

دُور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ لباس ہی انسان کی شخصیّت کا آئینہ دار ہوتا ہے پھر جب ایک ملک کا وفد کسی بھی دوسرے ملک کے وفد سے ملے تو عام طور پر تاثر یہی دیا جاتا ہے کہ وفود کی آپس میں یکجہتی اور ہم آہنگی موجود ہے۔ بات لمبی ہونے سے بچانے کیلئے مختصراً یہی کہوں گا کہ ہمارے امن مشن پر جانے والے وفد کا اگر قومی سطح پر لباس ہم رنگ نہیں تو ہم نے دوسرے مُلک کے وفد سے مل کر اپنے خیالات کو کیا ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ اگر مخالف پہلا تاثر اچھا نہ لے سکے تو اخباری بیانات سے کیا اثر قبول کریگا۔ یہی کچھ تمام ممالک کے وفود کے ساتھ ملاقات میں نظر آیا۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات نظر آتی ہے۔ لیکن اپنے اثرات کے لحاظ سے دُور رس نتائج کی حامل بات ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہماری ذہنی ناموافقت اور اندرونی اختلافات کا اظہار ہوتا ہے۔ ان اختلافات اور تفرقہ سازی کا نتیجہ الم انگیز عذاب ہی تو ہے چنانچہ فرمایا:۔

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ٥

یاد رکھو! تم کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو واضح قوانینِ خداوندی آجانے کے بعد فرقوں

میں بٹ گئے اور باہم گر اختلافات کرنے لگ گئے۔ یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اس کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ اس سے قومیں ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔"

اس سے اگلی آیت میں اعمال کے نتائج بتائے گئے ہیں۔ یعنی

یہ دونوں گروہ ہمارے سامنے ہیں۔ ایک وہ جو نظامِ خداوندی کے رشتے میں منسلک ہو کر امتِ واحدہ کی حیثیت سے زندگی بسر کریں۔ دوسرے وہ جو، فرقوں میں بٹ کر کفر و شرک کے مسلک پر چل نکلیں پہلا گروہ وہ ہے جن کے چہرے، کامیابیوں اور کامرانیوں سے چمک رہے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ ہے جو ذلت اور رسوائیوں کی وجہ سے روسیاہ ہے۔

یہ روسیاہ وہ ہیں جو ایمان لانے کے بعد، پھر کفر کی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ یعنی فرقوں میں بٹ گئے۔ ان کے اس کافرانہ مسلک کی وجہ سے ان پر ذلت اور تباہی کا عبرت انگیز عذاب چھا گیا

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول!

عزیزانِ گرامی! مضمون کی طوالت کا احساس ہے اور ساتھ ہی آپ کی سمع خراشی کا بھی۔ لیکن آج کلیجہ مُنہ کو اس لئے آ رہا ہے کہ خونِ مسلم جس ارزانی سے بہہ رہا ہے تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ کہ فطرت کی تعزیریں بہت سخت ہوتی ہیں۔ آج عالمِ اسلام کے نتائج کا وقت آ چکا ہے۔ اس کے بعد کہانی پھر سرے سے شروع ہوگی۔ "نیست" ہونے میں زیادہ وقت درکار نہیں ہوتا البتہ "ہست" رہنے کے لئے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے نیست ہونے کے آثار ہوں مسلمان خود مسلمانوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

دِل کے پھپھولے جل اٹھے، سینے کے داغ سے
اِس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی — یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو!

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (۶۴:۲)

مفہوم: اس نے تمہیں انسانی پیکر عطا کیا (جس کی خصوصیتِ کبریٰ یہ ہے کہ تمہیں اختیار و ارادہ کی استعداد حاصل ہے۔ انسان کی اس استعداد کا نتیجہ یہ ہے کہ) تم میں سے بعض کافر (قوانینِ خداوندی کو تسلیم نہ کرنے والے) اور بعض مومن (ان قوانین کو ماننے والے) ہو جاتے ہیں (کائنات میں کسی اور

مخلوق کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ چاہے تو قوانینِ خداوندی کی اطاعت کرے اور چاہے اس سے انکار کرے (۲۹/ ۱۸) لیکن یہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ چلے تو وہ غلط راستے پر اور نتائج برآمد ہوں صحیح راستے کے) اس کے اعمال کے نتائج خدا کے قانونِ مکافات کے مطابق مرتّب ہوتے ہیں جو سب کچھ دیکھتا ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہ انکار اور اقرار کی تفریق خود ہماری پیدا کردہ ہے جو دراصل انسانی ذہن کی اختراع اور ذاتی مفادات کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ صرف ایک وحیٔ خداوندی کے تحت کردیا جائے تو فرقوں / پارٹیوں کے اس بہتے ہوئے عظیم سمندر سے اٹھنے والی ہر ایک لہر انسانیت کے ہچکولے کھانے والی نیّا کو ساحلِ مراد پر پہنچانے میں ممدّ و معاون ثابت ہو۔

قرآن کریم کے نزدیک حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا کوئی تصور نہیں۔ یہ تصور انسان کا پیدا کردہ ہے جو ہمیں وراثت میں مغربی جمہوریت کے انداز میں ملا ہے۔ احکامِ خداوندی کے نزدیک صرف دو ہی "حزب" ہیں۔ ایک کو قرآن نے حزب الشیطٰن کہا ہے اور دوسرے کو حزب اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ ملاحظہ ہو: ۵/۵۶ ، ۳۵/۶

آخر میں اتنا عرض کردوں کہ وفاقی شرعی عدالت میں یہی مقدمہ زیرِ سماعت ہے جس میں آج کے عنوان کا پہلا نصف حصہ زیرِ غور ہے۔ جب کہ بقیہ نصف حصہ کو آئینی تحفّظ دیا گیا ہے۔ اس لئے اس پر بحث نہیں کی جاسکتی۔ کم از کم روزِ حشر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اے یوم الدّین کے مالک! تیرے بندوں نے اپنی دنیاوی قوّت اور حاصل جاہ و جلال کے بل بوتے پر اپنے بنائے ہوئے قانون کو تیرے دیئے ہوئے قانون پر برتری دی تھی۔ ہم نے وہ تمام حربے استعمال کئے لیکن اربابِ بست و کشاد اپنے مفادات کو کسی صورت میں چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے ـــــ تو ہی بتا ہم کہاں جاتے ـــــ ہماری یہ عرضداشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت سامنے آچکی ہوگی کہ:

قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا (۲۵/ ۳۰)

"اور رسول کہے گا کہ اے میرے نشوونما دینے والے یہی ہے میری وہ قوم جس نے اس قرآن کو اپنے خود ساختہ معتقدات کی رسیوں سے اس طرح جکڑ دیا تھا کہ یہ آزادی سے دو قدم چلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا (انہوں نے اپنے آپ کو اس کے تابع رکھنے کی بجائے، اسے اپنے مسلک و مشرب کے تابع رکھ چھوڑا تھا"۔ ـــــــــــ دنیاوی عدالت میں تو شاید ہم مقدمہ ہار جائیں، لیکن اُخروی عدالت میں آپ کا مقدمہ مع جملہ اخراجات آپ کے حق میں یقیناً ڈگری ہوگا کہ اس میں آپ کی شہادت اتنی مضبوط ہے جسے کوئی نہیں ہلا سکتا۔ لہٰذا میں آپ کو پہلے ہی سے مقدمہ کی کامیابی کی نوید سناتا ہوں۔ مبارک ـــــ مبارک ـــــ مبارک !!!

طلوعِ اسلام

ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے

اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک اس کی مقبولیت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس کا ایک ایک پرچہ تعلیمی اداروں، لائبریریوں اور دفاتر میں کئی کئی افراد پڑھتے ہیں اور اس کا مطالعہ پاکستان کے علاوہ متعدد بیرونی ممالک کے نہایت بلند پایہ طبقہ میں ہوتا ہے ——— اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ

طلوعِ اسلام میں اشتہار دینے سے آپ کے کاروبار کو کس قدر پبلسٹی مل سکتی ہے!

۱۹۹۱ء کے لئے اشتہارات کے نرخ یہ ہیں!

- **ٹائٹل کے صفحات**

	ایک بار کے لئے	سال بھر کے لئے
صفحہ ۲، ۳ (اندرونی صفحات)	۶۰۰ روپے	۵۰۰۰ روپے
صفحہ ۴ (بیرونی صفحہ)	۸۰۰ روپے	۶۰۰۰ روپے

- **اندرونی صفحات**

	ایک بار کے لئے	سال بھر کے لئے
پورا صفحہ	۵۰۰ روپے	۳۰۰۰ روپے
نصف صفحہ	۲۷۵ روپے	۱۵۰۰ روپے
چوتھائی صفحہ	۱۵۰ روپے	

مذکورہ بالا شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونے چاہئیں۔

ناظمِ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور ———

مقالہ: صالحہ نغمی
صدر شعبہ شماریات کنیرڈ کالج برائے خواتین
لاہور

تغیرِ نفس

صدرِ محترم و حاضرینِ کرام! السلام علیکم

آپ نے اکثر و بیشتر یہ بات کہی اور سنی ہوگی کہ ہمارا ملک دنیا کے ترقی یافتہ ممالک سے پچاس سال پیچھے ہے اور جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ہمارا ملک (پاکستان) ترقی کی دوڑ میں پیچھے ہٹتا چلا جا رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال کے جواب میں یوں تو بہت سے عوامل کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن میں اس وقت اس اہم عنصر کا ذکر کروں گی جس نے پاکستان کو موجودہ حالت تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے اور وہ ہے ہمارا غیر تسلی بخش نظامِ تعلیم۔

ہمارے نظامِ تعلیم کے بنیادی نقائص کیا ہیں؟ غیر معیاری نصابِ تعلیم۔ نظامِ امتحانات، تعلیمی اداروں میں سیاست کا عمل دخل۔ ایسے بہت سے بنیادی نقائص قابلِ توجہ ہیں اور اگرچہ ایک ایک نکتہ پر بحث و تمحیص کے لئے پوری پوری نشست درکار ہوگی۔ لیکن میں صرف ایک نکتہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ وہ ایک بات سو باتوں کی ایک بات ہے وہ ایک تبدیلی کہ جو ہمارے نظامِ تعلیم کی اصلاح کیلئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے!

حاضرینِ کرام! میں جس بات کا ذکر کر رہی ہوں، اس کا تعلق نظامِ تعلیم کی عمارت کی ظاہری ساخت سے نہیں اس کی روح سے ہے۔ میں اس وقت نصابِ تعلیم اور نظامِ امتحانات سے قطعِ نظر اس تعلیمی عمل کی بات کرنا چاہتی ہوں جو کلاس روم کے اندر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کمیونیکیشن (COMMUNICATION) کو سامنے رکھنا چاہتی ہوں جو ایک لیکچر کے دوران استاد اور شاگردوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور جسے اوجِ کمال تک پہنچا کر کمرہ جماعت میں ایک سحر انگیز فضا قائم کی جا سکتی ہے اور طلباء و طالبات پر امکانات کے در کھول کر ذہنی طور پر ایک فکر انگیز دنیا میں پہنچایا جا سکتا ہے۔

میں اس تحریک کو بھی اہم سمجھتی ہوں جو استاد اپنے شاگردوں کے اذہان میں پیدا کرتا ہے۔ اس لگن اور جوش کو بھی ضروری جانتی ہوں جو استاد اپنے شاگردوں میں منتقل کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر وہ اعتماد، جو

استاد اور شاگرد کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ جس کی ابتدا استاد کرتے ہیں۔ جس کے ذریعے ایک طالب علم اس بات کی ہمّت خود میں پاتا ہے کہ مختلف سائنسی نظریات کے پیچھے کارفرما دلائل کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرے اور اس ضمن میں جب بھی اسے ضرورت محسوس ہو بھری جماعت میں استاد سے CHALLANGING سوالات کرنے سے بھی نہ ہچکچائے۔ یہ خود اعتمادی طالب علم کو خود اپنی ذات پر انحصار کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور اسے نہ صرف کتابوں میں موجود خزینۂ علم سے استفادہ کرنے کے لئے لائبریریوں میں لے جاتی ہے بلکہ علمی مفروضات کو سائنسی بنیادوں پر پرکھنے کے لئے تجرباتی طریق کار اپنانے پر بھی اکساتی ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم کی بنیادی خرابی کیا ہے؟ اس کا جواب اگر ایک فقرے میں دینا مقصود ہو تو یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ہمارا نظامِ تعلیم طلباء میں علمی تجسّس کو تحریک دینے کی بجائے قبولِ علم کی انفعالی کیفیت کو فروغ دیتا ہے۔

(OUR SYSTEM OF EDUCATION ENCOURAGES IN OUR STUDENTS PASSIVE ACCEPTANCE OF INFORMATION.)

ہمارے کالجوں میں کلاس رُومز کا مجموعی نقشہ کس طرح کا ہوتا ہے؟ تمام طلباء کے ہاتھ میں ایک کتاب ہے جسے TEXT BOOK کہتے ہیں۔ استاد کے ہاتھ میں بھی وہی کتاب ہے۔ استاد اس کتاب کے مندرجات کو ایک لیکچر کی شکل میں شاگردوں تک پہنچا رہا ہے۔ مندرجات کے مفاہیم کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ شاگرد خاموشی سے استاد کا لیکچر سُن رہے ہیں۔ استاد کی کہی ہوئی باتوں کو اپنی کاپیوں پر نوٹ کر رہے ہیں۔ کسی کسی وقت کوئی شاگرد استاد سے لیکچر سے متعلق کوئی سوال پوچھ لیتا ہے۔ لیکن ایسے شاگردوں کی تعداد آٹھ دس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ استاد کا درس اتنا دلچسپ بھی نہیں ہے کہ وہ تمام شاگردوں کی بھرپور توجہ اپنے لیکچر کی طرف مبذول کرا سکے۔ یوں استاد کے لیکچر کے دوران جسمانی طور پر تو تمام طلباء کمرۂ جماعت کے اندر موجود ہیں لیکن ذہنی طور پر بیشتر طلباء کہیں اور پہنچے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا استاد اور شاگرد دونوں کے ہاتھ میں ایک ہی کتاب ہے وہ TEXT BOOK جو ہر ایک کے پاس ہے جو استاد کے لیکچر کا محور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ استاد کو سب سے زیادہ دلچسپی اس بات میں ہے کہ وہ کتاب کے مندرجات کو قدرے تیز رفتاری کیساتھ پڑھاتا چلا جائے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ سال کے آخر تک کتاب کا کوئی حصہ COVER ہونے سے رہ جائے۔ اور شاگردوں کے ذہنوں میں اس کتاب نے یوں جگہ بنائی ہے کہ وہ لاشعوری طور پر اس کتاب کو اس مضمون کے متعلق تمام تر علم کا خزینہ سمجھنے لگے ہیں۔ بیشتر وقت طالب علم کے ذہن میں بھی نہیں آتا کہ اسی مضمون کے بارے میں TEXT BOOK کے علاوہ بھی بیسیوں کتابیں موجود ہیں اور ان میں سے بہت سی کتب تک لائبریریوں کے

کے ذریعے رسائی بھی ممکن ہے لیکن طالب علم بس اپنی TEXT BOOK ہی کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا استاد اسے یہ احساس دلانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتا کہ اس کی حقیقی کامیابی صرف امتحان میں ہی کامیاب ہو جانا نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے ذہن کی وسعت اور اس کی ذات اور شخصیت کی نشوونما میں مضمر ہے۔ایک عام طالب علم اپنی تمام تر تعلیمی زندگی کنوئیں کے مینڈک کی طرح اپنی درسی کتابوں اپنے نوٹس اور گائیڈ بک کی چار دیواری میں مقیّد گذار دیتا ہے اور اسی میں خوش رہتا ہے کہ اس کے استاد اسے آگہی اور ادراک کی وسیع دنیا کی جھلک دکھاتے ہی نہیں۔

ٹیلی ویژن پر ہونے والے غیر ملکی دستاویزی اور سائنسی پروگرام اور غیر ملکی معیاری رسالوں میں پائے جانیوالے معلومات افزا مضامین تو ضرور آج کے طالب علم کے ذہن کو کشادگی بہم پہنچاتے ہیں۔لیکن اس طرح سے حاصل ہونے والی معلومات کے بارے میں طالب علم کا نفسیاتی رویّہ یہ ہو جاتا ہے کہ "یہ سب کچھ ترقی یافتہ اقوام کے افراد کے دائرہ عمل میں ہے۔میری اور میرے ساتھیوں کی گرفت میں آنے والی شئے نہیں۔یہ سب اغیار کے کرنے کا کام ہے۔میں اور میرے ساتھی علم و ادراک کی اس اسٹیج اور ایجادات و اختراعات کی اس استعداد تک نہیں پہنچ سکتے۔

طالب علم کی مذکورہ سوچ میں تبدیلی پیدا کرنا اور اسے اس بات کا یقین دلانا کہ وہ بھی علم و آگہی کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔استاد کا کام ہے۔یہ استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ شاگرد کے دل میں یہ بات اتارے کہ وہ بھی تعلیمی سفر میں آگے اور آگے بڑھتے ہوئے ایک دن اس قابل ہو سکتا ہے کہ کائناتی اسرار و رموز پر سے کچھ پردے ہٹائے اور سائنس کے میدان میں دنیا کو چند قدم اور آگے لے جائے۔یقیناً ایک ایسے لیکچر میں جس میں استاد شاگردوں سے ایک روانی سے مخاطب ہو۔طلباء میں ذہنی بالیدگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔بشرطیکہ استاد اپنے مضمون پر کمال رکھنے کے ساتھ ساتھ فنِ خطابت سے بھی واقف ہو۔ایسی صورت میں تو طلباء کی پوری توجہ استاد کی گفتگو پر مرکوز رہتی ہے۔استاد کا لب و لہجہ اور اس کی آواز کا زیر و بم شاگردوں کی توجہ کو مستقل طور پر اپنی جانب کھینچے رکھتا ہے۔علم و فضل سے بھرپور استاد کی باتیں شاگردوں کے ذہنوں پر گہرا تاثر چھوڑتی ہیں۔استاد طالب علم کے سامنے امکانات کے دروازے کھولتا ہے تو ادراک کی تاثیر سے طالب علم کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں۔اور اس ایک لمحہ کے دوران استاد اور شاگرد کے درمیان CMMUNICATION کا جو رشتہ قائم ہوتا ہے اس کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ایسے استاد کا مقصدِ اوّلین محض کورس ختم کروانا نہیں ہوتا۔علم کی ترسیل کے ذریعے طلباء کی ذہنی سطح کو بلند کرنا ہوتا ہے۔وہ علم کی اس منتقلی سے سرشاری حاصل کرتا ہے۔وہ استاد کے ساتھ ساتھ خود بھی ایک طالب علم ہوتا ہے۔وہ اپنے شاگردوں کو سکھاتے ہوئے خود سیکھ رہا ہوتا ھے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ علم جو ایک وسیع و عریض سمندر ہے کہ جس میں تمام عمر غوطہ زن رہنے کے بعد بھی انسان

چند ہی موتی چُن سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنے مضمون میں (MASTER) کر لینے کے بعد بھی اس کا علم کتنا محدود ہے۔ اور وہ یہ بات اپنے شاگردوں سے چھپانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ وہ اس بات کا حوصلہ خود میں پاتا ہے کہ بھری جماعت میں یہ کہہ سکے کہ مجھے اس وقت آپ کے اس سوال کا جواب معلوم نہیں، لیکن میں آپ کے سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ وہ اپنی مثال کے ذریعہ اپنے شاگردوں کے دلوں میں یہ بات اتار دیتا ہے کہ طلبِ علم ایک مسلسل تلاش کا نام ہے۔

یہ سچ ہے کہ ہر استاد فنِ خطابت کا ماہر نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ خداداد صلاحیت کا بھی دخل ہے لیکن اپنے علم میں وسعت پیدا کرنے کی سعی تو ہر استاد کر سکتا ہے۔ اپنے طریقۂ تعلیم میں دلچسپی کا عنصر بڑھانے اور طلباء کے ذہنوں کو تحریک دینے کی تدبیریں تو ہر استاد کر سکتا ہے۔ یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ استاد ایسا کیوں کریں؟ جدوجہد کی مشکل راہ اپنانے کے لئے ایک استاد کا جذبۂ محرکہ کیا ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب میرے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ ایسا کرنے سے استاد کی پیشہ ورانہ زندگی میں خوشی کا عنصر بڑھ جائے گا۔ یہ درست ہے کہ علم کی لگن شدید محنت مانگتی ہے لیکن علم و عرفان کی نئی سے نئی منزلیں ذہن کی کشادگی اور ذات کی بالیدگی کا باعث بھی تو بنتی ہیں۔ اپنے طریقۂ تعلیم کو زیادہ دلچسپ بنانے کیلئے استاد نت نئی تدبیریں سوچے گا اور مختلف النوع تجربات کریگا۔ مثلاً آج میں اُردو شاعری پر لیکچر دینے سے پہلے شروع کے دس منٹ شاگردوں سے بیت بازی کیوں نہ کروالوں۔ اس سے شاگرد محظوظ ہونگے اور کمرۂ جماعت میں ایک دوستانہ اور خوش کُن فضا قائم ہو جائے گی اور "آج میں شماریات کے اپنے شاگردوں سے TEXT BOOK میں دیئے گئے سوالات حل کروانے کی بجائے، کیوں نہ ان کے گروپس بنا کر ہر گروپ کو ایک علیحدہ موضوع دے دوں اور کہوں کہ ہر گروپ لائبریری میں جا کر اس سوال کا جواب تلاش کرے" یوں اپنے رویے اور عمل میں اس قسم کی تبدیلی استاد کی پیشہ ورانہ زندگی میں شگفتگی کے عنصر میں اضافہ کریگی بیشک طریقۂ تعلیم کی تبدیلی سے نہ تو استاد کی تنخواہ میں بڑھاوا ہوگا نہ اس کی مالی مشکلات میں کوئی کمی آئیگی لیکن اس کے کمرۂ جماعت کی فضا میں ایک تبدیلی ضرور آئے گی۔ استاد اپنے شاگردوں کا ایک نیا رویّہ محسوس کریگا۔ ان کی آنکھوں میں ایک نئی چمک دیکھے گا اور یہی چمک اس کو کچھ پالینے (ACHIVEMENT) کی خوشی سے سرشار کردیگی۔

حاضرینِ کرام! یہی میرا آج کا پیغام ہے۔ میں اپنے وطن کے اساتذہ کو تغیرِ نفس کی دعوت دیتی ہوں۔ ایک مرتبہ اپنے لیکچر میں تھوڑی سی تبدیلی کرکے تو دیکھئے! اپنے شاگردوں کو انفعالی کیفیت میں سے نکالنے کا خطرہ مول لیکر تو دیکھئے مختلف پراجیکٹ کے ذریعہ انہیں اپنی ذہنی صلاحیتوں کے استعمال کا موقع تو دیجئے۔ آپ کے شاگرد کے لبوں پر ایک سچی مسکراہٹ نہ ابھرے تو کہیئے گا۔ آپ کا اپنے شاگردوں کیساتھ رحمت و حُرمت کا مضبوط رشتہ قائم نہ ہو تو کہیئے گا۔ اور چند سال کے بعد وطنِ عزیز کی حالت میں بہتری کے آثار پیدا نہ ہوں تو کہیئے گا۔ کسی نے غلط تو نہیں کہا "انقلاب ہمیشہ کلاس روم کے اندر آتا ہے"۔

مقالہ : جو طلوعِ اسلام کنونشن ۱۹۹۱ء میں پڑھا گیا

مس شاہدہ ندیم
طالبہ ایم۔اے سیاسیات
(لاہور کالج برائے خواتین)

میرے تصوّر کا پاکستان

تصوّر اور حقیقت ایک دوسرے کا جزوِ لاینفک ہیں۔ تصوّر کی بنیاد پر حقائق کی عمارت استوار ہوتی ہے لیکن کسی قوم کے لئے وہ وقت لمحۂ فکریہ ہوتا ہے، جب وہ سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے کسی ایک مخصوص رُخ کو متعیّن نہ کر سکے ـــــ کسی ایک تصوّر پر متفق نہ ہو، کسی ایک جہت پر یک جا نہ ہو، کسی ایک رنگ سے ہم آہنگ نہ ہو۔ یہی کثیر جہتی، یہی متنوّع خیالی پاکستانی قوم کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ آج ہمارا پاکستانی معاشرہ منتشر ہے۔ ساری جمی جمائی اقدار لوٹ پھوٹ کر ایک ڈھیر بنتی جا رہی ہیں۔ معنی و اقدار کے پرانے ذرائع بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ کسی شخص کا قبلہ و کعبہ امریکہ ہے، کسی کا یورپ، کسی کا سعودی عرب ہے، کسی کا عراق کسی کا ایران، کسی کا شام۔ کوئی روس کو دیکھ رہا ہے تو کسی کی نگاہوں کا مرکز چین ہے۔ جب قوم کی رگوں میں یہ انتشار ہو تو پھر کامیابی، استحکام اور مضبوطی کا خواب کس طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

یہ ہے وہ حقیقت جس کے ادراک نے مجھے ان مشترک عناصر کی تلاش پر مجبور کیا۔ جو ساری قوم کے جذبوں کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے مذہب، ہماری ثقافت اور ہمارے اسلاف کی خواہشات کے امین بھی ہوں۔ ان عناصر تک رسائی حاصل کرنے کے بعد میرے ذہن نے پاکستان کا ایک تصوّر تراشا۔ اس تصوّر کو حقیقت کے تناظر میں دیکھا تو اذیّت کے جس جانگداز مرحلے سے مجھے گزرنا پڑا اس کا ذکر خوفِ طوالت کے پیشِ نظر ترک کرتی ہوں۔

وہاں ساحلوں پر بشارتوں کا چراغ بھی ہے جلا ہُوا
یہاں ہاتھ میرے بندھے ہوئے مرا بادبان پھٹا ہُوا

میرے ذہن میں ایک ایسے پاکستان کا تصوّر اُبھرا ہے جس کا خواب اقبالؔ نے دیکھا، جسے بنانے کی سعی ہمارے بزرگوں نے کی۔ جس کا تصوّر لُٹی ہوئی عصمتوں کے رقص پر ہماری بہنوں نے کیا۔ میرے خیال میں پیرس اور سوئٹزرلینڈ کی جنّت نہیں، بلکہ مٹّی، گوبر اور دھول سے اَٹا ہُوا وہ پاکستان اُبھرا ہے جس کا حرف

ہمارے قائد کی کتابِ دل پر لکھا ہوا تھا۔ آئیے بھیانک حقیقتوں کے تناظر میں پاکستان کے سیاسی، معاشی سماجی روحانی اور اخلاقی نظام کے متعلق اپنے تصوّر کے دھنک رنگ آپ کو دکھاؤں۔

سب سے پہلے سیاسی نظام کی طرف آئیے۔ پاکستان کا سیاسی نظام ہمارے حکمرانوں کے مفادات کے خام مال سے تیار ہونے والا ایک ایسا کمزور ڈھانچہ ہے جو نئے موسم کی پہلی بارش میں دھڑام سے گر جاتا ہے اور پھر کوئی نیا طالع آزما ملبے کے ڈھیر سے، اپنے اغراض کے سنگ ریزے چُن کر ایک نئی عمارت کی تعمیر شروع کرتا ہے اور مفاد پرستوں کا ایک ہجوم اس کے گرد جمع ہو کر تالیاں بجاتا ہے۔ اور میرا ذہن سوچوں کی جنّت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

میرے تصوّر میں ایک ایسے پاکستان کا تصوّر ابھرتا ہے جس کے سیاسی نظام کی بنیاد ۱۹۳۵ء کے انڈیا ایکٹ کے دھندلے نقوش پر نہیں، بلکہ فاران کی چوٹیوں سے اترنے والی صداقتِ ازلی پر رکھی گئی ہے جہاں قال اللہ و قال الرّسول کا نام لے کر اقتدار پر نہیں مَرا جاتا۔ جہاں روٹی، کپڑا اور مکان کے بھوکے نعروں سے عوام کا پیٹ نہیں بھرا جاتا۔ جہاں اسلامی جمہوریّت ہے۔ جہاں کسی آمر کو پریس اینڈ پبلیکیشن ایکٹ جاری کرنے کی جرات نہیں۔ جہاں شورائیت کا حقیقی تصوّر موجود ہے۔ جہاں احتساب ہے مگر انتقام نہیں، جہاں اپوزیشن کو اظہارِ خیال کا موقع ملتا ہے۔ جہاں سیاست ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا نام نہیں بلکہ اپنے دامن کی گندگی کو دھونے اور دوسروں کے عیوب کی اصلاح کا عمل ہے کہ قائدِ اعظم نے فرمایا تھا:۔

> ہم نے پاکستان کی جنگِ آزادی جیت لی ہے مگر اسے برقرار رکھنے اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے ... اب آپ کو اپنے ہی وطنِ عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریّت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساواتِ انسانی کے اصولوں کی پاسبانی کرنی ہے۔

(افواجِ پاکستان سے خطاب ۲۱ فروری ۱۹۴۸ء)

اب معاشی نظام کی طرف آتے ہیں۔ پاکستان معاشی اور اقتصادی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکا ہے۔ ہم ورلڈ بینک کنسورشیم اور ایشیائی بینک کے قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ آئی۔ ایم۔ ایف کے مطالبات مانتے مانتے ہماری معیشت کے جسم میں سودی کینسر ہو گیا ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت پاکستان ۶ ء ۱۵ ارب ڈالر کا مقروض ہے۔ سُود کی رقم ۵۵ ارب روپے سالانہ تک پہنچ گئی ہے۔ دولت وسیلۂ حیات نہیں مقصدِ حیات بن گئی ہے۔ پوری قوم لاٹری اور انعام کے طلسم میں گرفتار ہے۔

میرے تصوّر کا پاکستان ایسا تو نہیں۔ میرے تصوّر کا پاکستان تو ایک ایسے معاشی نظام کا حامل ہے جس کی جڑیں اسلام کے معاشی اصولوں میں پیوست ہیں۔ جہاں نظامِ زکوٰۃ بھی ہے اور نظامِ صدقات بھی۔

جہاں قانونِ میراث بھی ہے اور نظامِ وصیّت بھی، جہاں قرض دینے کی ترغیب بھی دلائی جاتی ہے اور درست ناپ تول کا اہتمام بھی۔ جہاں قدرِ محنت بھی ہے اور قانونِ شفعہ بھی۔ جہاں حکومت کی محدود مداخلت بھی ہے اور ذاتی ملکیت کی اجازت بھی۔ جہاں ارتکازِ زر کی ممانعت بھی ہے اور عاریت کا تصوّر بھی۔ جہاں حلال و حرام کی حدود بھی ہیں اور اقتصادی کاوش کی اجازت بھی۔ جہاں نوجوانوں کو اداسیاں اوڑھے گھنٹوں عرضیاں پکڑ کر دفتروں کے باہر نہیں کھڑا ہونا پڑتا۔ جہاں کالے دھن کی خاطر کالے دھندے کی گرم بازاری نہیں ہے۔ جہاں خود انحصاری کا نام نہیں لیا جاتا خود انحصاری کیلئے کام کیا جاتا ہے۔ جہاں معاشی ضروریات کے لئے اپنی جبینیں امریکہ اور سعودی عرب کے آگے رگڑنے کی بجائے، خدائے واحد کے سامنے جھکا جاتا ہے کہ قائد نے فرمایا تھا:

"مجھے یقین ہے کہ پاکستان کی تجارت، کاروباری دیانت کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کا مؤثر ذریعہ ثابت ہوگی....
میں چاہتا ہوں کہ دنیا کی تجارتی منڈیوں میں لفظ 'پاکستان' مال کی عمدگی اور اعلیٰ معیار کا مترادف ہو جائے"

(ایوانِ تجارت کراچی سے خطاب ۲۷۔ اپریل ۱۹۴۸ء)

اب پاکستان کے عدالتی نظام کی طرف آئیے۔ ہمارا عدالتی نظام مہنگا، سست اور پیچیدہ ہے۔ سچ کے چہرے پر کالک مل جاتی ہے اور جھوٹ بچارو میں بیٹھ کر اپنے عشرت کدے میں پناہ لے لیتا ہے۔ شریف شہری ظلم کے خلاف عدالتوں میں مقدمہ درج کرانے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ گھر بار اور عزت بیچ کر بھی یقین نہیں آتا کہ انصاف مل جائے گا۔

مگر اپنے قائد کی طرح، میرے ذہن میں ایک ایسی پاک دھرتی کا تصوّر ہے۔ جہاں عدل اور انصاف کا تصوّر عملیّت کا جامہ پہن چکا ہے جہاں ارشادِ خداوندی "انصاف کے قائم کرنے والے بن کر خدا کے آگے گواہ بنو" (۴ : ۱۳۵) ۔ پر لبیک کہا جاتا ہے۔ جہاں گواہوں کو خریدا نہیں جاتا۔ جہاں عدالتوں میں تاریخیں مٹھی گرم کئے بغیر حاصل کی جاتی ہیں۔ جہاں انصاف کے حصول کیلئے اپنی قیمت نہیں لگانی پڑتی۔ جہاں یہ تک کہہ دیا جاتا ہے کہ "خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دیتا" جہاں تمیزِ بندہ و آقا کو فسادِ آدمیّت سمجھا جاتا ہے کہ اقبالؒ نے بھی تو یہی خواب دیکھا تھا۔

اب اندھیروں میں چراغاں ہونگے ہم سریروں کے نگہباں ہونگے
شب کے اجزاء جو پریشاں ہونگے کتنے خورشید درخشاں ہونگے

اب معاشرتی و ادبی سطح پر آئیے۔ ہمارا سماج مختلف قومیتوں میں بٹ چکا ہے۔ معاشرتی اور ادبی سطح پر ثنویت کا تضاد ہے جس نے ہمیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔ پاکستان ہماری آرزوں کا کعبہ ہے۔ اس کے وجود

میں آنے کا مقصد یہ تھا کہ ہم اپنی عظیم روایات کے سہارے ایک نئی تہذیبی قوت بن کر ابھریں۔ مگر سارا معاشرہ اسلام کے عظیم اصولوں۔ پاکستان کے حسین آدرش کے باوجود تنگ نظری، تعصب، علاقہ واریت اور تقلیدانہ ذہنیت کا شکار ہو چکا ہے۔ پاکستانی معاشرہ غیر آسودہ خواہشات کا معاشرہ ہے۔ وسائل اور خواہشات قول اور عمل کے مابین تضاد بڑھتا جا رہا ہے۔ ثنویت کے اسی تضاد نے ہر سطح پر ہمارے تخلیقی سوتوں کو خشک کر دیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ فراریت اور خود فراموشی کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ ہمارے بچے اچھے لباس اور اچھی تعلیم سے محروم ہیں۔ ہیرو ازم کے تصور نے معاشرے کو تھکن سے چور چور کر دیا ہے

ہر نفس میں شعلہ زن ہیں گرمیاں حالات کی
زندگی ہے ان دلوں بے موت مر جانے کا نام

پاکستانی معاشرے کی اس حالت کو دیکھ کر میرے تصور کی آنکھ میں آنسوؤں کی نمی تیر رہی ہے اور میرے سامنے ایک اور معاشرے کا تصور ابھر رہا ہے۔ یہ وہ پاکستانی معاشرہ ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا منطقی نتیجہ ہے۔ یہاں سچ، امانت داری، تہذیب، شجاعت، صداقت، محنت اور یکجہتی کا گہرا احساس موجود ہے جہاں پولیس، واپڈا، کسٹم، انکم ٹیکس اور تعلیم و صحت کے محکمے اپنے فرائض امانت داری سے سرانجام دیتے ہیں۔ جہاں ادب برائے زندگی کے ساتھ ساتھ ادب برائے پاکستان اور ادب برائے اسلام کا تصور بھی موجود ہے۔ جہاں عروس البلاد کراچی اور سرزمین سندھ میں امن و آشتی کے پھول کھلتے ہیں۔ جہاں جھنگ کا شہر فرقہ واریت کی نذر نہیں ہوتا۔ جہاں قومیت پسندوں کو اپنی پارٹیوں کا وزن نہیں بنایا جاتا بلکہ ان کو سخت سزائیں دی جاتی ہیں جہاں سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان سب ایک ہیں کہ قائد نے فرمایا تھا:

> "آپ کو چاہیئے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی، پٹھان وغیرہ کی باتیں نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک سلطنت اپنے لئے بنائی ہے۔ ایک وسیع و عریض سلطنت۔ یہ آپ سب کی ہے۔ یہ نہ پنجابی کی ہے، نہ بنگالی کی، نہ سندھی کی، نہ پٹھان کی۔ یہ آپ کی ہے۔"
>
> (ڈھاکہ ۲۱۔ مارچ ۱۹۴۸ء)

اب مذہبی اور اخلاقی سطح پر آکر پاکستان کا جائزہ لیں۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ مگر یہاں اسلام کو ایسی خیر سمجھا جانے لگا ہے جس کا پالیسی اور پروگرام سے کوئی تعلق نہیں۔ مادیت کے ردِعمل میں اسلام سے قوائے عقلیہ کو خارج قرار دے دیا گیا ہے۔ اسلام کا رشتہ زندگی کے متنوع نظاموں سے کاٹ دیا گیا ہے۔ اجتہاد کا دروازہ بند کر کے اسلام کی آفاقیت کو داخلیت کے پنجرے میں مقید کر دیا گیا ہے اور یہی حقیقت ہمارے سیاسی، سماجی، معاشی اور تعلیمی نظام کی وجۂ زوال ہے۔

میرے ذہن میں ایک ایسے پاکستان کا تصوّر ہے جہاں اسلام کی پاک تعلیم کا عملی نفاذ ہو۔ مادیت اور روحانیت کا صحت مند توازن ہو۔ میرے ذہن میں ایک ایسے پاکستان کا خیال ہے جہاں مذہب زندگی کی نفی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے اثبات کا راستہ ہے۔ جہاں اسلام کا رشتہ نامیاتی قوتوں سے کبھی نہیں ٹوٹتا۔ جہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، جہاں ہر نئی فکر سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اس کے صحت مند عناصر کو قبول کرنے کا رجحان موجود ہے۔ جہاں اسلام ایک فلسفۂ اخلاق ہی نہیں، زندگی کے عمل کا برتاؤ ہے، زندگی کی رنگارنگی میں توازن کا ذریعہ ہے جہاں مذہب اپنی جاندار شکل میں موجود ہے اور تصوّر وحقیقت، مادیت و روحانیت کے فاصلے مِٹ جاتے ہیں کہ میرے قائد نے بھی اسلام کے نفاذ کا خواب دیکھا تھا، ان کا فرمان ہے کہ

> "میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔"
>
> (شاہی دربار سبیؔ، بلوچستان میں تقریر ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء)

میرے تصوّر اور حقیقت کے درمیان حائل یہ فاصلے مٹانا ہمارا فرضِ اولین ہے۔ اگر یہ فاصلے مٹ جائیں تو پاکستان ایک مضبوط اور محکم قوت بن کر ابھر سکتا ہے۔ تب کسی امریکہ، کسی فرانس، کسی اسرائیل کو جرأت نہ ہوگی کہ وہ ہمارے عراق کو کھنڈروں میں بدل دے۔ ہمارے سعودی عرب کے ساتھ کھیلیں۔ ہمارے افغانستان کو برباد کرنے کے منصوبے بنائیں۔ پھر کوئی پاکستان کو خود انحصاری کی طرف قدم بڑھانے سے نہیں روک سکے گا۔ اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز پوری شان سے ہوگا (خدا کرے ایسا ہی ہو)

اظہارِ تشکّر

میں ان تمام بزمہائے طلوعِ اسلام اور وابستگانِ فکرِ قرآنی کی ممنون ہوں جنہوں نے میرے رفیقِ زندگی شیخ عبدالحمید کی وفات پر قرار دادیں منظور کیں اور تعزیت کے خطوط لکھے۔ ہو سکے تو شیخ صاحب مرحوم کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں!

سوگوار

بیوہ شیخ عبدالحمید

قرآنی تعلیم بچوں کے لئے

قاسم نوری

عید

السّلام علیکم بچّو! آج سے دو سال پہلے میں نے آپ بچّوں کے لئے قرآنی تعلیم کا آغاز اسی "عید" کی کہانی سے کیا تھا۔ اس وقت بہت کم بچّے جانتے تھے کہ "عید" کسے کہتے ہیں۔ بس سب یہی سمجھتے تھے کہ "عید" مسلمانوں کا تہوار ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ ماہِ رمضان کے روزے مکمّل کرنے کی خوشی میں ہم عید مناتے ہیں۔ کوئی اسے "فطرانے" کی عید یعنی "عید الفطر" سمجھتا۔ کوئی سویّوں کی عید کہتا اور کوئی چھوٹی عید یا میٹھی عید سمجھتا تھا۔ لیکن "عید" کی اصل حقیقت کیا ہے؟ یہ شاید کسی بچّے کو بھی معلوم نہ تھا اور ہزاروں لاکھوں بچّوں کو تو آج بھی معلوم نہیں ہوگا کہ

عید خوشی منانے کا ایسا دن ہے، جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اسے جشن کے طور پر سب مِل کر منائیں ——

جی مجھے معلوم ہے آپ اس وقت کیا سوچ رہے ہیں؟ یہی نا، کہ اللہ اور تہوار منانے کا حکم ———؟!! اللہ تو نیکی کا حکم دیتا ہے، محنت کا حکم دیتا ہے اچھے کام اور اچھے سلوک کا حکم دیتا ہے ——— خوشی، تہوار، جشن منانے کا حکم تو بڑی عجیب سی بات ہے۔ جی ہاں! یہی بات تو میں نے پہلے بھی سمجھائی تھی اور ایک اندھوں کی مثال دی تھی کہ جو پیدائشی اندھے ہوتے ہیں انہیں تو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ

انسان اور جانوروں کی شکلیں کیسی ہوتی ہیں۔ رنگ کیسے ہوتے ہیں۔ گھر، عمارت، دریا سمندر، پہاڑ، سڑکیں، بسیں، ریلیں، جہاز اناج، سبزیاں، پھل، میوے، پھول، پھل میوے اور باغ کیسے ہوتے ہیں۔ اڑتے ہوئے بادل اور فضاؤں میں تیرتے پرندے کیسے لگتے ہیں۔ غرض کائنات کی کسی بھی چیز کا اندھوں کو علم ہی نہیں ہوتا۔ ان کی دنیا میں اندھیرا ہی اندھیرا ہوتا ہے۔ وہ ہر حقیقت کو اپنی سوچوں اور خیالوں کے مطابق دیکھتے ہیں۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ اچانک ان کی آنکھوں میں روشنی آجائے اور وہ کسی محنت، کسی علاج اور کسی مدد کے بغیر سب کچھ خود دیکھنے لگیں تو ان کی خوشی کا کیا عالم ہوگا ؟!!! وہ تو خوشی سے ناچ اٹھیں گے، اُچھلنے کودنے لگیں گے اب ذرا سوچو کہ وہ ایسا کیوں کریں گے ؟ کیا خزانہ مل گیا ان کو ؟ زندہ تو وہ پہلے بھی تھے کھاتے پیتے تھے ــــ ہنستے بولتے تھے اور بھرپور زندگی گزارتے تھے۔ تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ پھر کیا کمی تھی کہ وہ زندوں میں رہ کر بھی خود کو زندہ تصوّر نہیں کرتے تھے؟

عزیز بچّو! وہ تھی دوسروں کی محتاجی ــــ اور حقیقت سے بے خبری یا لاعلمی ــــ وہ دوسروں کی مدد کے بغیر نہ آزادی سے چل پھر سکتے تھے اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ جان سکتے تھے اور نہ ہی اپنی منزل کیلئے کسی راستے کا انتخاب خود کر سکتے تھے ــــــ تو معلوم ہوا کہ اصل زندگی اور اصل آزادی، حقیقت پا لینے کا نام ہوتی ہے اور عقل و دانش کی روشنی میں آجانے کو ہی سچی خوشی کہتے ہیں۔

پیارے بچّو! اسلام سے پہلے، یعنی قرآنِ کریم نازل ہونے سے پہلے تمام انسان اندھوں کی طرح اندھیرے میں تھے۔ انہیں کسی بھی حقیقت کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا ــــ کہنے کو

وہ زندہ تھے۔ حکومت کرتے تھے، کاروبار کرتے تھے اور زندگی کے سارے کام کرتے تھے۔ لیکن حقیقت میں ان کی زندگی اندھے کی زندگی کی طرح تھی ـــــ طرح طرح کے خوف کی زندگی، محتاجی کی زندگی، غلامی کی زندگی، ذِلت کی زندگی ـــــ قرآن آیا اور اس نے ایک پل میں زندگی بدل کر رکھ دی ـــ انسان کو ہر قسم کی ذِلّت خوف اور غلامی سے نجات دِلا دی اور کائنات کی جن قوتوں سے وہ ڈرتا تھا اور جن کے متعلّق وہ کچھ جانتا ہی نہیں تھا ان سب کو اس کا غلام بنا دیا ـــ پہلی مرتبہ انسان کو عقل کی بینائی نصیب ہوئی وہ ہر شئے کو اپنے اپنے مقام پر صحیح اور واضح طور پر دیکھنے لگا۔ اور یہ سب کچھ انسان کو مفت ہاتھ آگیا۔ نہ محنت کرنی پڑی نہ کچھ خرچ ہوا۔ قرآنِ کریم میں ایک سورت ہے سورہ یونس۔ س کی آیت نمبر ۵۸ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

کہ " اگر تم زندگی بھر دولت جمع کرتے اور ساری دنیا کے انسان مِل کر بھی کوشش کرتے تو اِس جیسا ضابطۂ حیات نہیں پا سکتے تھے ـــ یہ ساری دنیا، ساری کائنات سے افضل ہے بہتر ہے۔ جو تمہیں کسی محنت کے بغیر، کسی کوشش کے بغیر مِل گیا ہے۔ لہٰذا اتنی شاندار اعلیٰ اور نادر و نایاب چیز (خزانہ) مِل جانے پر اور آسانی سے بالکل اچانک مِل جانے پر خوشیاں مناؤ، جشن مناؤ "

دیکھا بچّو! کہ اللہ تعالیٰ نے خوشی منانے، تہوار اور جشن منانے کا حکم خود دیا اور اس لئے دیا کہ قرآن مِل جانے کے بعد انسان اس دنیا میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہوگیا۔

ـــــ تو یہ عید ہم قرآنِ کریم نازل ہونے کی خوشی میں مناتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ہمیں لاکھوں کروڑوں قسم کی ذلّتوں اور غلامی سے نجات حاصل ہوئی تھی ـــــ تو عید ہوئی۔

"جشنِ نزولِ قرآن" اور "رمضان" ہوا اس جشن کی تیاریوں کا مہینہ۔ بچو! یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرآنِ کریم نازل ہونے کا آغاز بھی رمضان کے مہینے سے ہوا تھا۔ اور ہمارا یہ مُلک پاکستان بھی اسی ماہِ رمضان میں وجود میں آیا تھا۔

قاسم نوری

اظہارِ تشکّر

میں ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکرگذار ہوں، جنہوں نے میری اہلیہ محترمہ کی وفات پر مجھ سے اظہارِ ہمدردی فرمایا اور مرحومہ کے لیۓ مغفرت کی دعا کی۔

سوگوار
ڈاکٹر سیّد عبدالودود

قاسم نوری صاحب کی چونکا دینے والی کتاب

غلام احمد پرویز

شائع ہوگئی ہے

تعارف ــــ محمد لطیف چوہدری، ناظم ادارہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت ــــ ۲۵۔ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

HERMITAGE

PINDI POINT MURREE

علامہ غلام احمد پرویز کا درسِ قرآن کریم

درج ذیل مقامات پر ہوتا ہے!

	شہر	مقام	دن	وقت
۱	لاہور	۲۵ بی گلبرگ ۲ (نزد مین مارکیٹ)	جمعۃ المبارک	۹:۳۰ بجے صبح
۲	چنیوٹ	ڈیرہ میاں احسان الٰہی کونسلر بلدیہ پیر بھٹہ بازار	″	۳ بجے بعد نمازِ جمعہ
۳	پشاور	برمکان محترم عبدالرزاق۔ نزد چوک شہیداں قصہ خوانی بازار	بدھ	۴ بجے شام
۴	کوئٹہ	۱۶۶/ ڈی جائنٹ روڈ	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
۵	ملتان	شاہ سنز بیرون پاک گیٹ	″	۱۰ بجے صبح
۶	کراچی	۲۲۸ اشرف آباد، رابطہ محترم خالد گل، فون ۵۳۹۲۸۹	″	۹:۳۰ بجے صبح
۷	″	کورنگی، رابطہ محترم محمد سرور : فون ۳۱۲۶۳۱	″	۱۱:۰۰ بجے صبح
۸	″	کھڈہ مارکیٹ، رابطہ جمعہ بھائی، فون ۷۴۲۰۳۸	″	۱۱:۰۰ بجے صبح
۹	″	جمعہ بھائی۔ نیو کلری۔ ہنگورہ آباد۔ گلی ۱۳۔ بی		
۱۰	″	لیاری کراچی۔ فون : ۷۴۲۰۳۸		
۱۱	پسیر محل	مکان ۱۴۰/۱۳۹۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا جمعہ	۹ بجے صبح
۱۲	گوجرانوالہ	شوکت نرسری گل روڈ، سول لائنز	جمعۃ المبارک	بعد از نمازِ جمعہ
۱۳	سرگودھا	۶۰۔ اے سول لائنز۔ ریلوے روڈ	″	۹ بجے صبح
۱۴	سید حسن	برمکان محترم سید محمد حسین	″	۲ بجے شام
۱۵	جہلم	برمکان محترم قمر پرویز مجاہد آباد۔ جی۔ٹی۔ روڈ	″	۶ بجے شام
۱۶	پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	″	۳ بجے سہ پہر
۱۷	چک ۲۱۵۔ ی بی	برمکان چوہدری عبدالحمید	″	۸ بجے صبح

	شہر	مقام	دن	وقت
۱۸	ایبٹ آباد	۲۳۴، کے ایل کیہال	جمعتہ المبارک	۱۰، بجے صبح
۱۹	برمنگھم یوکے	229 ALUM ROCK ROAD BIRMINGHAM	اتوار	۳، بجے سہ پہر
۲۰	ٹورنٹو	716 THE WEST MALL 1904 ETOBICOKE	ہرماہ پہلا اتوار	۱۱، بجے صبح
۲۱	اوسلو	KEYSER GT 1 HALL D	ہرماہ پہلا اتوار	۴، بجے شام
۲۲	ڈنمارک	GL KONGEVEJ 47, 3TH DK 1610 KBH V	ہرماہ آخری ہفتہ	۲، بجے سہ پہر
۲۳	حیدرآباد	گولڈن سینٹری عثمان آباد	جمعتہ المبارک	۵، بجے شام
۲۴	لیّہ	رحمانیہ میڈیکل سنٹر	″	بعد نمازِ مغرب
۲۵	لندن	PARK RD ILFORD ESSEX TEL 081-553-1896	ہرماہ پہلا اتوار	۲:۳۰ بجے سہ پہر
۲۶	بورےوالہ	برمکان محمد اسلم صابر۔ مرضی پورہ گلی ۵	ہرماہ پہلا، تیسرا جمعہ	۹، بجے صبح
۲۷	رجانہ	برمکان چوہدری ایس۔ ایم صادق مین بازار	ہرماہ تیسرا جمعہ	۱۰، بجے
۲۸	گجرات	مرزا ہسپتال۔ کچہری روڈ	جمعرات	۳، بجے سہ پہر
۲۹	جلال پور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	″	۱۰، بجے صبح
۳۰	فیصل آباد	۲۳، سی پیپلز کالونی (نزد تیزاب مل)	بروز جمعہ	۳:۳۰ بجے سہ پہر
		رابطہ: ڈاکٹر محمد حیات ملک۔ فون ۴۲۸۵۵		
۳۱		کارخانہ نٹ سازی گلی ۱۳ محلہ فیض آباد رابطہ فون: ۲۲۸۵۴ مرزا محمد صدیق	سوموار	۴ بجے سہ پہر
۳۲	پشاور	برمکان ڈاکٹر بشیر الحق، افغان کالونی	جمعتہ المبارک	۴ بجے شام
۳۳	راولپنڈی	برمکان ملک فضل کریم۔ ۳۰ مکھا سنگھ سٹیٹ نزد کمیٹی چوک	″	۳:۳۰ بجے شام

He fully acquitted himself of his mission as a result of which he stands at the highest pinnacle of human sucess . It is up to us now to accept our path of life, path of frustration and failures or the path of the life of" peace and plenty" and we have been given full freedom of choice by the Sustainer of this Universe.

MOHAMMAD OMAR DRAZ

despotism was the rule of the day ; when superstition dominated the human thought ; when every tribe was thirsty of the other's blood ; when the way of life, prescribed by the Messengers of the past throughout the world, which was meant to produce peace and integration, was thrown overboard, and was replaced by chaos and disruption. In short that was the time when the forces of disintegration prevailed upon the entire human society inhabiting the globe.

(30:41) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

The principles described above are immutable and provide guidance for the development of human personality as well as the smooth running of the human society, as truly today as they did 1400 years ago ; and they will remain as such for all time to come. Anything constructive that we find in the human world today, is in cosonance with these principles and anything positive, constructive and lasting that Man is in search of, shall be available from this very source. Anything repugnant to this code of life, is bound to be negative, destructive and perishable. The more a nation follows the above said principles, the more it pulsates with life ; the more a nation forsakes them, the more it is full of misery and disappointment. Any unbiased observation and any pragmatic test can prove the truth of this assertion. In the words of Iqbal :

هر کجا بینی جہانِ رنگ و بو | یا ز نورِ مصطفےٰ او را بہاست
آنکہ از خاکش بروید آرزو | یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفےٰ است

"Whenever you find a world displaying life and beauty, from the soil of which blossom sublime aspirations ; it has either already received light from Muhammad (peace be upon him) or is still in search of that light."

The immutability of these principles and the circumstances under which they appeared on the earth is a positive proof that they were revealed to the one who was entrusted with the responsibility of their transmission to humanity and that they came from the same source from which the immutable laws that control the phenomena of nature originated. And he (peace be upon him) in his last message to humanity at the occasion of Hijj-tul-Wida took the solemn affirmation of his audience by asking them :

الا ھل بلغت

to which they collectively answered :

نعم یا رسول اللہ

"Yes O Messenger of Allah, you have."

Upon this he raised his hands towards the heavens and uttered :- اللّٰھم اشھد

"O my Sustainer, you are a witness to what these people are voicing their affirmation."

"Had not Allah checked one set of people by means of another, there would surely haven been pulled down monasteries, churches, synagogues and mosques in which the name of Allah is commemorated in abundant measures."

But it is important to note that when one willingly joins the Quranic Social Order, then it remains no more optional to follow this law or that. Then he is bound to follow the Quranic Law.

28. DEFENCE OF THE SOCIAL ORDER BY RAISING ARMS :

Believers are commanded to raise arms for the defence of the Quranic Social Order.

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (2 : 190)

"Fight in the cause of Allah, those who fight you. But do not transgress limits, for Allah loveth not the transgressors."

The transgression here means using force for compelling others to accept Islam as their 'Deen'.

29. HIJRAT :

According to the Holy Quran it is the duty of a messenger of Allah as well as a believer, to strive hard for the establishment of a social order based on the Divine Law. His first step would be to establish it at the place of his birth. Bit if in spite of his best efforts the circumstances around him are not amenable, he leaves this place and migrates to another land where he finds suitable environment. His objective is to establish a Social Order and not to worship a particular locality. The choice lies between his wealth, property, relations and place of birth on one hand ; and Quranic Social Order on the other. He chooses the latter and scarifies the former. This type of migration is termed by the Holy Quran as "*Hijra*". It is not a migration in search of food or wealth, nor is it an escape from facing difficulties ; it is rather a more feasible and practicable procedure and a part of his struggle to establish the Quranic Social Order. That is why the word جَاهَدُوا and هَاجَرُوا often come together in the Holy Quran :

... وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ... (2 : 218)

"Those who emigrated and strove in the way of Allah."

'*Hijrat*' is a part of '*Jihad*', or rather the best part of it.

The above brief description represents the more prominent and main Fundamental principles that one comes across during the study of the Holy Quran. Each component item is a vast subject by itself. These principles were proclaimed to the world, fourteen centuries ago, by an unlettered orphan (peace be upon him) who belonged to a backward, uneducated, unskilled, and undisciplined community of idol-worshippers of Mecca. He was born at a time when the edifice of the world civilization, that was built through the past 4000 years, was razed to the ground ; when

"You cooperate with one another in matters pertaining to the welfare of mankind and matters consistent with the Divine law and do not cooperate in matters of sin and enmity.

26. DIVISION OF MAN KIND :

Distinction between man and man on the basis of caste, colour, race and language, is forbidden. According to the Holy Quran, there is only one criterion for the division of mankind. That division is on the basis of ideology. Those who believe in the Permanent Values of Quran, belong to one group. Those who do not believe in them, belong to another group.

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ ... (64:2)

"It is he who has created all of you, some of you are non-believers and some of you are believers."

Accordingly, to create difference in Ummah is strictly prohibited.

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ... (6 : 159)

"Those who create differences in Deen (i.e. the way of life prescribed by Allah) and divide themselves into sects (O Messenger of Allah) you have nothing to do with them. Leave their affairs for the law of Allah to decide. That will tell them how they acted."

27. FREEDOM OF CHOICE :

There is no compulsion for belief in the Quranic Fundamentals. A decision that is not willful is not a decision. Thus non-believers are under no compulsion to join the ranks of believers

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ... (2 : 256)

"There is no compulsion (to follow) the way of life based on Quranic fundamentals. The right direction is henceforth distinct from error."

Thus there is freedom of choice whether one follows this way or that way :

وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ ... (18 : 29)

"Say : (It is) the truth from the Lord of you (all). Then whosoever will, let him believe, and whosoever will, let him disbelieve."

In a social order based on Quranic Fundamentals, it is not only that the non-believers are allowed to disbelieve but the Holy Quran enjoins upon believers to protect the non-believers and their places of worship :

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ
وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ... (22 : 40)

usury that after advising. People to forego the due interests over lent money, It declares war on those who do not do so

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ... (2:279)

23. CHASTITY :

Sexual relationship between a man and a woman, other than marriage, is strictly forbidden.

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا (17:32)

"And come not near adultery., Lo! It is an abomination and an evil way."

Marriage is a contract between two adults by mutual consent only. It is not allowed to compel some one for marriage.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ... (4:19)

"Oh you who believe ! It is not lawful for you to become masters of women forcibly."

24. UNIVERSAL BROTHERHOOD :

Allah desires that all human beings should form one universal brotherhood. The Quran states that :

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ... (10 :19)

"Mankind were but one community, then they differed."

To reorganize universal brotherhood, the Holy Quran has prescribed one fundamental code of life for the humanity. In other words one world Government.

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ ... (10:57)

"Oh mankind there has come to you a (common) code of life."

25. THE SURVIVAL OF THE CONSTRUCTIVE :

The welfare work may be confined within parties, countries or nations. According to the Holy Quran only that which is beneficial for the entire mankind, survives :

... وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ... (13:17)

"All that is useful to humanity remains on the earth."

As a first step towards achieving this goal, the Holy Quran directs mankind to cooperate with one another without distinction of race, colour, country or nation ; in those affairs which are constructive and based on Permanent Values ; and not in those affairs which are destructive and unlawful :--

... وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ... (5 : 2)

(7 : 10) وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ...

"It is We Who have given you the authority in the earth and provided you (humanity) therein the means for the fulfillment of your life."

Therefore the sources of production must belong equally to all those who need them.

(41 : 10) ... سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ...

20. ALL THAT IS SURPLUS TO THE NEED OF AN INDIVIDUAL BELONGS TO THE SOCIETY :

(2 : 219) يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ...

"They ask thee how much they are to spend (for the benefit of others,) ; say : What ever is surplus (to your needs)".

This spending on others is not by way of charity but by way of their human right. Momineen while spending that which is surplus to their needs for those who need it explicitly declare that :

(76 : 9) اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا

"We provide you with the means of sustenance only because it is prescribed by the Divine law. We do not intend to receive any personal benefit from you nor any thanks."

21. THIS GIVING TO OTHERS PROMOTES THE NOURISHMENT AND STABILITY OF YOUR OWN PERSONALITY.

(2:265) ... تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ...

"For the stability of their personality."

22. USURY :

An economy based on interest is disallowed. The Holy Quran says :

(2 : 275) ... اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ...

"Allah hath permitted trade and forbidden usury."

The Quran condemns and prohibits usury in the strongest terms and differentiates between trade and usury. The Quran only allows a return in lieu of one's labour. In trade one puts in both capital and labour, while in usury only capital is spent. Thus interest on capital is disallowed while genuine profit in trade is allowed. Every type of profiteering is usury. The Quran takes such a serious stand against

... وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ... (3:159)

("O Messenger of God) consult them in affairs (of moment).

16. RENDER BACK THE TRUSTS :

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا
حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ... (4 : 58)

"Verily Allah commands you to render back your Trusts to whom they are due ; and when you judge between man and man, that you judge with justice.

The holy Quran lays great emphasis on rendering back the trusts to whom they are due. The trust may be an ordinary deposit. On the other hand 'the reigns of power' being the biggest and most sacred trust that any human being can entrust to their fellow human beings, it is imperative that those who are given power must be most trustworthy and most fit persons, those who are capable of deciding the human affairs with full justice and thus fulfil the responsibilities entrusted to them.

17. SUBSISTENCE :

Provision of subsistence is another important Permanent Value. In the Quranic Social Order, nourishment of individuals is the responsibility of the state ;

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ ... (22 : 41)

"Those who, if we establish them in the land, establish a social order based on Divine Law and provide nourishment (to the individuals)."

18. CONTRACT BETWEEN AN ISLAMIC STATE AND THE BELIEVERS :

In the Quranic Social Order the state becomes a symbol of Divine attributes guaranteeing fulfillment of Allah's promises. Thus the life and property of the believers are at the disposal of the state ; and in lieu of it, it is the responsibility of the state to provide a life of peace and plenty to the individuals i.e. a heavenly life on the earth.

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ... (9 : 111)

"Allah has purchased of the believers, their persons and their wealth, surely for them is the life of peace and plenty (in return)".

19. SOURCES OF PRODUCTION ARE FOR THE BENEFIT OF HUMANITY AS A WHOLE :

For equitable subsistence to all, it is imperative that the sources of production are kept open for the benefit of humanity as a whole because :---

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ... (2:29)

"It is He Who has created all that is in the earth, for your collective benefit.

The Sustainer of the Universe reminds us that :

justice. Always in all circumstances, act justly, this is akin to 'Taqwa'. Always adhere to the laws of Allah, Who is aware of all that you do."

(e) Do not plead the cause of those who do wrong :

(4 : 105) ... وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا

"So be not (used) as an advocate by those who betray their trust."

One who deceives others, thinks that he has gained something. In fact he has lost something, on account of the destructive effect on his own personality. Actually he has deceived himself. To plead the cause of such people is prohibited :

(4:107) وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ...

"Fight not the cause of those who are false to themselves or harbour deceit in their hearts."

(28 : 17) ... فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ

"I shall never be a helper to those who sin."

13. **ENFORCEMENT OF LAW :---Now we come to another important permanent value which is enforcement of low :---**

It is the duty of the Quranic Social Order to enforce what is lawful according to Divine law and prohibit what is unlawful. In other words the Do's and Don't are not a matter of preaching. They are rather to be made the law of the country.

(3 : 110) ... كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ...

You are the best of community that has been raised for the good of all mankind. Your responsibility is to enjoin what is right and forbid what is wrong."

14. LAWLESSNESS IS PROHIBITED :

(2 : 205) ... وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ

"Allah loveth not lawlessness."

15. PERMANENT VALUES—A BOUNDARY LINE FOR HUMAN ACTIONS :

The Permanent Values described in the Quran form the basis of Quranic Social Order. But they only provide the boundary line. The day to day problems are discussed and solved, within the four-walls of these Permanent Values or Quranic Fundamentals, by mutual consultation.

(42 : 38) ... وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ...

"Who (conduct) their affairs by mutal consultation."

Even the messenger of God is no exception to it.

11. EHSAN :

The words *Adl* (Justice) and *Ehsan* come together in the Holy Quran. *Ehsan* is the next higher stage, in the Quranic Social Order, after *Adl*. As described earlier, *Adl* provides equal opportunities to individuals. On the other hand, *Ehsan* means a condition where an individual (if in spite of his best efforts) lags behind, his deficiency is made good by others to restore the disturbed proportion in the society. This is not by way of charity but as a matter of right.

(16 :90) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ...

"Allah commands justice and proportion (in society)."

12. JUSTICE IN COURTS OF LAW :---

The Holy Quran says :--

(a) (2:42)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿﴾

"And confound not truth with falsehood, nor knowingly conceal the truth"

(b) (2 : 283) ... وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ...

"And hide not testimony."

(c) Appear as witness without any selfish motive, or any personal gain, or as a favour to somebody, or against enmity with anybody ; but purely for the sake of truth :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ
أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا فَإِنَّ اللَّهَ
(4 : 135) كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿﴾

"O you who believe ! Be you staunch in justice, give evidence for Allah even though it goes against yourself or (your) parents or (your) kindred, whether (the case be of) a rich man or a poor man, for Allah is nearer to both (than you are). So follow not passion lest you lapse or fall away. For lo ! Allah is ever informed of what you do."

(d) To do justice in a favourable or neutral atmosphere is meritorious enough but the real test comes when you have to do justice to people who hate you or who are your enemies. Allah Commands :---

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا
(5:8) اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿﴾

"O Jama'at-ul-Momineen ! Always stand up for justice in the cause of Allah. Let not the enmity of others towards you make you deviate from the path of

"Indeed Allah commands justice and proportion"

8. LAW OF EQUALITY :

To act against the law knowingly, disturbs the rule of law. Thus punishment is prescribed for the crime through 'Qisas' (administration of justice)."

(2:179) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ ...

"O ye men of understanding ! in the law of Equality there is (the secret of collective) life for you."

Qisas --- (Life for life in case of Murder) -- 2 : 178. But is not a personal act. It is the duty of the Government formed on the basis of Divine laws to prescribe and give punishment. The punishment should be proportionate to the crime committed :

(10 :27) وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ...

"But those who have earned evil, will have a reward of like evil."

But one who apologizes may be pardoned :--

(42 : 40) وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ ...

"The recompense of an injury is an injury equal thereto (in degree), but if a person forgives and makes reconciliation, his reward is due from Allah."

9. PERSONAL RESPONSIBILITY :

Justice demands that every body should bear his own burden, i.e. he should personally fulfil his own responsibilities :

(6:164) ... وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ...

No bearer of burden shall bear the burden of another."

Thus the consequences of one's act, cannot be transferred to another.

10. ZULM

Zulm is opposite to *Adl* or justice. It means to put a thing at a place where it should not be. The Quran not only prohibits wrong acts but also that you should not be wronged.

(2 : 279) ... لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

"Wrong not and you shall not be wronged."

If every individual on his part avoids wrong acts, the wrong shall be eliminated from the society and all shall be protected against it. The verse also means that you gain so much strength that nobody may attempt to do wrong to you :

(22 :39) اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ ...

"Sanction is given unto those to fight because they have been wronged."

(3 : 78) مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ ...

"It is not for any human being unto whom Allah had given Book (of laws), the why of them and even Nubuwwah that he should afterwards have said unto mankind, Be subservient to me instead of Allah"...

6. LIMITATION OF HUMAN ACTIONS :

The formation of a society means cooperation and a loss of a certain degree of independence. In human society the degree and nature of this loss of independence is determined by law. According to the Holy Quran this shall be determined by the revealed laws. The first part of verse 3:78 has been described above. "It is not for any human being unto whom Allah had given the Book (of law), the why of them and the Nubuwwah, that he should afterwards have said unto mankind, Be subservient to me instead of Allah." The later part of the above verse is as follows :

... وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ۝

"He should rather say, "You should be amongst those who belong to Allah by virtue of the code of life that He has given you and which you teach one another and constantly study."

This means that the sovereignty shall only be of the Divine Laws and not of any person, even if he is of such a high stature as a messenger of Allah.

(7:3) اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ...

"Follow that which is sent down to you from your Rabb and follow not any other protector beside Him."

Even the messenger of Allah shall have to follow the revealed laws :

(46 :9) ... إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ...

"I do follow which is revealed to me."

(6:163) ... أَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

"I am the first to bow down before the Divine Laws."

7. *ADL*. NEXT IMPORTANT PERMANENT VALUE IS *ADL*.

Adl means justice in all spheres of life. And justice means a condition where every individual in a human society gets what is due to him, not only economically but all the fundamental rights that belong to him by virtue of being a man. This provides equal opportunities to individuals for the physical development as well as the development of their personalities.

(16:90) إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ ...

(45 :22) خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ

"Allah has created the heavens and the earth for constructive purposes and that every one be repaid for what it has earned, and that they will not be wronged."

A good act produces a positive or constructive effect on human personality and a bad act has a negative or disintegrating effect. The act may be manifest or concealed, it makes no difference. It requires no outside policing. The reaction is automatic as in other phenomena of nature. Even an idea that flashes across the mind, has its impact on the human personality.

(40:19) يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ

"He knows the traitor of the eye and that which the bosoms hide."

(99:7-8) فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

"And he who does good (to the extent of) an atom's *weight will see it then, and he who does ill an atom's weight will* see *it then."*

Thus the human body ends with the physical death, while the developed human personality passes on to its next evolutionary stage. This forms the basis of the belief in the Hereafter, and thus the basis of all other Permanent Values provided by Divine Guidance.

3. RESPECT FOR HUMANITY :

The third most important of the Permanent Values is respect for humanity. All human beings are equal by birth and are worthy of respect :

(17:70) وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ...

"We have honoured the humanity as a whole."

4. CRITERION OF POSITION IN SOCIETY :

After birth the ranks are according to how far one's actions are consistent with the Divine Laws :

(46:19) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ...

"And to all are (assigned) degrees according to their deeds."

Accordingly the measure of greatness of an individual are his virtues and that forms the fourth most important Permanent Value.

5. FREEDOM :

No human being shall be slave or a subject to his fellow being. A man can only be subjected to Divine Laws and not to any person, how highly placed that person may be, even as high as a messenger of Allah :

And :--

(47 : 19) ... لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...

"There is no SOVEREIGN except ALLAH."(47:19)

His sovereignty cannot be delegated :

(16 : 51) ... وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوٓا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ...

"Allah has said, Take not for sovereign two *Ilahas*, for He is just One *Ilaha*"
And :--

(18:26) ... وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهٖٓ أَحَدًا

"Nor does He share his command with any one who-so-ever"

Moreover :--

(18:110) ... لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا

"In the subservience to his Sustainer, let no-body admit any one as partner."

In the human world Allah does not exercise His command direct. That is carried out by means of LAWS revealed through His messengers. These LAWS now lie safely within the folds of the Quran. Thus the subservience to Allah means, the sovereignty of the Book of Allah :

(6:114) ... أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ...

"Say : shall I seek for judge other than Allah, when it is He Who has sent unto you the detailed Book."

2. BELIEF IN HUMAN PERSONALITY

The next important basic belief is "Belief in Human Personality" upon which the other PERMANENT VALUES rest. There are two facets of human life ; Physical body and Human Personality or 'I' of a person. The physical body is controlled by physical laws and the human personality is controlled by laws revealed through the messengers of Allah. Physical body is destructible, on the other hand, human personalty has got such potentialities that when they are actualised, they make the developed personality INDESTRUCTIBLE.

The development of human personality is controlled by human actions. We are living in a world of cause and affect, Every action has got a reaction. In other words, every human action is rewarded. An act may be good or bad. A good act is one which is consistent with the Divine Laws ; a bad act is the one which is inconsistent with the Divine Laws. The holy Quran says that the entire machinery of the universe has been created in order that no act of any human being remains unrewarded :--